اصلاحی
مضامین و مقالات

- عقیدۂ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری
- بیماری اور مزاج پُرسی ؛ آداب واحکام
- جنازے اور تدفین میں شرکت ؛ آداب واحکام
- سلام اور اسلام
- مسلمان کے ساتھ خیر خواہی
- دعوت قبول کرنا مسلمان کا حق
- چھینک اور جماہی کے آداب
- استنجے کے آداب اور احکام
- لباس کے آداب اور اس کے شرعی حدود
- جمعہ کے دن کی سنتیں
- امانت کی اہمیت اور حفاظت
- حج ایک عاشقانہ عبادت
- قربانی اور احکام ذی الحجہ
- صلوٰۃ الحاجت کی فضیلت، اہمیت اور ضرورت
- قربانی اور عقل انسانی
- قربانی پر کیے جانے والے شبہات اور ان کے جوابات
- تجدد پسند اور روشن خیال حضرات کی خام خیالیاں
- قربانی سے متعلق غیر مقلدین کے شبہات
- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کثرتِ تصانیف کے ظاہری اسباب

مؤلف
مفتی عبداللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۲۴۷۵۵۴

اِصلاحی
مضامین ومقالات

- عقیدۂ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری
- بیماری اور مزاج پرسی؛ آداب واحکام
- جنازے اور تدفین میں شرکت؛ آداب واحکام
- سلام اور اسلام
- مسلمان کے ساتھ خیر خواہی
- دعوت قبول کرنا مسلمان کا حق
- چھینک اور جماہی کے آداب
- استنجے کے آداب اور احکام
- لباس کے آداب اور اس کے شرعی حدود
- جمعہ کے دن کی سنتیں
- امانت کی اہمیت اور حفاظت
- حج ایک عاشقانہ عبادت
- قربانی اور احکام ذی الحجہ
- صلوۃ الحاجت کی فضیلت، اہمیت اور ضرورت
- قربانی اور عقل انسانی
- قربانی پر کیے جانے والے شبہات اور ان کے جوابات
- تجدد پسند اور روشن خیال حضرات کی خام خیالیاں
- قربانی سے متعلق غیر مقلدین کے شبہات
- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کثرتِ تصانیف کے ظاہری اسباب

مؤلف
مفتی عبداللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴

تفصیلات

نامِ کتاب : اصلاحی مضامین ومقالات

مولف : مفتی عبداللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدی، بنگلور

صفحات : ۲۶۴

طباعت : ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۰۲۳ء

موبائیل نمبر : +919986694990

ای میل : abufaizanqasmi@gmail.com

ویب سائٹ : faizaneqasmi.com//:https

ملنے کے پتے

جامعہ غیث الہدی، بنگلور

کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، حنفی بک ڈپو بنگلور

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حقیقتِ حال

ہر قسم کی تعریفیں اُس ربِ ذوالجلال کے لیے سزاوار ہیں جس نے انسان کو مٹھی بھر خاک سے پیدا فرما کر کائنات کا سردار بنایا، اللہ کی بے پناہ سلامتی اور بے پناہ رحمتیں نازل ہوں انسانیت کے رہبر، سردار اور عظیم ہستی پر جو حضرات انبیاء کے مبارک سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر دنیا میں جلوہ افروز ہوئے اور رہتی دنیا تک کے جن وانس کی کامل رہبری فرمائی، نیز آپ کے پاک باز، وفاشعار ساتھیوں پر جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی، اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں آپ کی مدد کی اور اُس امانت کو اپنے بعد والوں تک پہنچایا، نیز آپ کے اُن تمام پیروکاروں پر جو آپ کے دینِ متین کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی۔

۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں احقر جامعہ غیث الہدیٰ، بنگلور میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا، استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب رشادی قاسمی مدظلہ، مہتمم جامعہ نے احقر کے ساتھ ہر اعتبار سے شفقت کا معاملہ فرمایا، احقر ایک اصلاحی مضمون ''جھوٹ کی قباحت'' پر لکھا، حضرت والا نے اس پر نظرِ ثانی فرمائی، جامعہ کے سفیر جناب حسین صاحب مرحوم کے ہم راہ دفتر ''روزنامہ سالار'' بنگلور کو ارسال فرمایا، اسی ہفتے جمعہ کے ایڈیشن میں وہ مضمون شائع ہوا، زندگی کا سب سے پہلا مضمون تھا جو کسی روزنامے میں شائع ہوا تھا، فطری طور پر بہت خوشی ومسرت ہوئی، ہمت وحوصلہ ملا۔

پھر دوسرا اصلاحی مضمون مرتب کیا، اس کو استاذِ محترم کے توسط سے دفتر ''روزنامہ سالار'' روانہ کیا، شاید وہ شائع نہیں ہوا، پھر وقتاً فوقتاً ''روزنامہ سالار'' چند سالوں کے بعد ''روزنامہ راشٹریہ سہارا'' بنگلور میں بھی مختلف مضامین شائع ہوتے رہے؛ لیکن اخبار والے اپنی پالیسی، جگہ کی تنگی وغیرہ کی بنا پر مضامین میں کاٹ چھانٹ کر دیتے تھے، اس وجہ سے

احقر نے ارادہ اور ہمت کر کے عظیم محدث اور ''ماہنامہ دارالعلوم'' دیوبند کے مدیرِ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں ''حکیم لامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کثرت تصانیف کے ظاہری اسباب'' مرتب کر کے ارسال کیا، استاذِ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے جلد: ۹۵، ماہ: ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۱ء میں شامل اشاعت فرمایا۔

جب مضمون ملک کے مؤقر اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے ماہنامے میں شائع ہوا، تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صاحبِ مضمون کو کس قدر خوشی ہوئی ہوگی؟ احقر وناچیز کو مزید حوصلہ ملا، پھر الحمدللہ مسلسل اصلاحی، علمی اور تحقیقی مضامین کا سلسلہ شروع ہوا اور ان مضامین کو دیگر ماہانہ رسائل کے بشمول ''ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' اور ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کو بھی ارسال کرتا رہا۔

استاذِ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، آپ کے بعد ''ماہنامہ دارالعلوم'' دیوبند'' کے مدیر، استاذ محترم حضرت مولانا سلمان صاحب بجنوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے ''ماہنامہ دارلعلوم دیوبند'' میں اور حضرت مفتی سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ، مدیر ماہنامہ ''ندائے شاہی'' واستاذ حال دارالعلوم دیوبند نے ''ندائے شاہی'' میں شائع فرما کر حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ جزاہم اللہ خیرالجزاء فی الدنیا والآخرۃ

ایک دن گوگل پر کوئی مضمون تلاش کر رہا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے ویب سائٹ پر اپنا ہی مضمون ''ماہنامہ دارالعلوم'' دیوبند کے حوالے سے دست یاب ہوا، پھر میں نے دارالعلوم دیوبند کی ویب سائٹ پر اپنے تمام مضامین کو تلاش کیا جو ویب سائٹ پر شائع کئے ہوئے ہیں۔

حکیم لامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کثرت تصانیف کے ظاہری اسباب

شمارہ: ۱۰ جلد: ۹۵، ماہ: ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۱ء

اسلام اور سلام

شمارہ: ۴ جلد: ۹۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ مطابق اپریل ۲۰۱۳ء

چھینک اور جماہی کے آداب

شمارہ: ۴، جلد: ۹۸، جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ م اپریل ۲۰۱۴ء

مدارس کا قیام اور تحفظ

شمارہ: ۱۲ جلد: ۱۰۱، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ م دسمبر ۲۰۱۷ء

عقیدۂ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری

شمارہ: ۳، جلد: ۱۰۳، جمادی الثانیہ، رجب ۱۴۴۰ھ م مارچ اپریل ۲۰۱۹ء

استنجے کے آداب واحکام

شمارہ: ۱۱ جلد: ۱۰۵، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ م نومبر ۲۰۲۱ء

بیماری اور عیادت کے آداب واحکام

شمارہ: ۱-۲ جلد: ۱۰۶، جمادی لثانیہ، رجب ۱۴۴۳ھ م جنوری وفروی ۲۰۲۲ء

جنازے اور تدفین میں شرکت

شمارہ:۔ ۵ جلد ۱۰۷، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۴۴، مطابق اپریل، مئی ۲۰۲۳ء

الحمد للہ ''ندائے شاہی'' میں کئی مضامین شائع ہوئے ہیں، جن شماروں میں احقر کے مضامین شائع ہوئے ہیں، وہ شمارے احقر کے پاس محفوظ نہیں ہیں، نیز نیٹ پر بھی دست یاب نہیں ہیں، میں نے اس سلسلے میں دفتر ماہنامہ ''ندائے شاہی'' سے رجوع کیا، تو کوئی کامیابی نہیں ملی۔

ایک دن بندے نے اپنے متفرق غیر مطبوعہ مضامین کی فہرست جمع کی، تو تقریباً سترہ مضامین کی فہرست تیار ہوئی، خیال ہوا کہ جو اصلاحی مضامین تیار ہو چکے ہیں، انہیں کتابی شکل دے دی جائے؛ تاکہ وہ کتابی صورت میں محفوظ ہو جائیں، اپنی ذات کے لیے ذخیرۂ آخرت اور امت کے سود مند ثابت ہو سکیں۔

چناں چہ احقر نے ان مضامین کو کتابی صورت دینے کی تیاری کی، ہم سب سید المرسلین وخاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں، اس لیے ہم پر سب سے پہلا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، آپ کی ذات اقدس اور آپ کی سیرت کی حفاظت اور دفاع کرنا ہے، اس لیے کتاب کا آغاز اسی مضمون ''عقیدۂ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری'' سے کیا ہے، احادیث میں بالترتیب مسلمان کے جن چھ حقوق کا تذکرہ وارد ہوا ہے، ان کو اسی ترتیب کے موافق شامل کیا ہے، بعد ازاں دیگر متفرق مضامین کو ادنی مناسبتوں سے مقدم ومؤخر کیا ہے۔

الحمد للہ جو مضامین اس کتاب میں شامل ہیں، وہ ملک کے موقر رسائل جرائد اور ماہناموں میں شائع ہوئے ہیں، ان متفرق مضامین کو کتابی صورت میں جمع کر دیا گیا ہے، جو بھی مضمون اس کتاب میں شامل ہے، وہ اپنی جگہ ایک مستقل مقالہ ہے، جس میں شرعی مصادر ومراجع کے حوالوں کے ساتھ مضمون کی اہمیت، فضیلت، آداب، مسائل واحکام اور دیگر متعلقہ امور کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان میں اکثر مضامین پر استاذ محترم حضرت اقدس مفتی محمد اسلم رشادی مدظلہ کی نظر ثانی بھی ہوئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کے سایہء عاطفت کو بصحت وعافیت دراز فرمائے، آپ کے فیض کو مزید عام وتام فرمائے، آپ نے مختلف مواقع میں بعض مضامین کی نظر ثانی بھی فرمائی ہے اور حوصلہ افزائی بھی، نیز اس کتاب کے آغاز میں اپنی محبتوں اور عنایتوں کا اظہار کرتے ہوئے عظیم دعائیہ کلمات سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔

آخر میں اللہ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں یہی دعا ہے:

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ . (یوسف:۸۸)

اے اللہ! تیرے ایک عاجز، بے مایہ، تہی دامن بندے کی طرف سے تیری درگاہ میں شکستہ تحریر پیش ہے، اس کو قبول فرما کر مغفرت فرما دیجئے اور اس شکستہ تحریر کو صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنا دیجئے۔ آمین

محتاج دعا: عبد اللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدی، بنگلور

بروز شنبہ بعد عصر

۱۲/محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۳۱/جولائی ۲۰۲۳ء

دعائیہ کلمات

حضرت اقدس مفتی محمد اسلم صاحب رشادی مدظلہ

داعی کبیر، بانی ومہتمم جامعہ غیث الہدیٰ، بنگلور

زبان وقلم انسان کو اللہ کی طرف سے ملنے والی بیش بہا نعمتوں سے ایک نہایت اعلیٰ نعمت ہے، ان ہی دو ذرائع سے انسان اپنے مافی الضمیر، اپنے احساسات اور جذبات کو دوسروں تک منتقل کرتا ہے۔

قلم ایک ایسی طاقت ہے کہ جس کے ذریعے اپنے علوم کو بقاودوام عطا کرسکتا ہے کہ صرف اپنے دور تک نہیں؟ آنے والی نسلوں تک علوم پہنچا سکتا ہے۔

زبانِ ہوش مند سب کو نہیں ملتی ہے، چیدہ افراد ہوتے ہیں جن کی باتیں گہر، جن کے فرمودات سحر کا اثر رکھتی ہیں، دلوں کو موہ لیتی ہیں اور زندگیوں میں انقلاب برپا کردیتی ہیں اور اندھیروں میں اجالا کردیتی ہیں۔

بہت کم نصیبہ ور ہوتے ہیں، جن کا قلم رواں دواں رہتا ہے اور بارانِ رحمت کی طرح جم کر برستا ہے؛ بلکہ برستا رہتا ہے، انہی باذوق بانصیب، بافیض علماء میں عزیز مکرم مولانا مفتی عبداللطیف صاحب بھی شامل ہیں، جن کے قلم سے مسلسل علم کی موسلا دھار بارش ہورہی ہے۔

موقع بہ موقع لکھے گئے مختلف مضامین کا مفید مجموعہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے، ہر مضمون اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک مکمل کتاب بننے کا تقاضہ کررہا ہے، امید ہے کہ یہ مختلف مضامین جو شائع ہورہے ہیں، بہت جلد۔ ان شاء اللہ۔ مختلف کتب کی شکل بھی اختیار کرلیں، **وما ذالك على الله بعزيز**

احقر دعا گو ہے کہ پچھلی کتب کی طرح اللہ جل شانہ اس کتاب کو قبولیت عامہ وتامہ نصیب فرمائے اور سلسلہء تصانیف کو دراز فرمائے۔آمین

والحمد للہ رب العالمین

(حضرت اقدس مفتی) محمد اسلم صاحب رشادی غفرلہ (مدظلہ)
مہتمم جامعہ غیث الہدی، بنگلور
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۴۵ھ
۸؍ستمبر ۲۰۲۳ء



عقیدۂ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝۴۰ (الاحزاب:۴۰)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تمہارے مردوں میں سے) کسی کے نسبی باپ نہیں ہیں؛ بلکہ روحانی باپ ہیں،) آپ سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے کے لیے تشریف لے آئے ہیں، اب قیامت تک نہ کسی قسم کا کوئی رسول آئے گا نہ نبی۔

عقیدۂ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری

اسلامی عقائد میں ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ''عقیدۂ ختم نبوت'' ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جن وانس کی رشد وہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا عظیم الشان سلسلہ جاری فرمایا، اس سلسلے کو سیدالمرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر مکمل فرمایا، اب قیامت تک کسی کو نبی بنایا نہیں جائے گا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں جس طرح شرکت ممکن نہیں، اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت میں بھی شرکت ممکن نہیں، جس طرح نبی صادق کو نہ ماننا اوران کی تکذیب کرنا کفر ہے، اسی طرح جھوٹے مدعیٔ نبوت کو ماننا اوراس کی تصدیق کرنا بھی کفر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب کچھ ماننے کے باوجود اگر کوئی بدنصیب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا یقین نہیں رکھتا یا ختم نبوت میں کسی بھی طرح کی تاویل کرے، تو وہ کافر ہے اور ایمان سے قطعاً محروم ہے۔

قصر نبوت کی پہلی اینٹ

اللہ جل جلالہ نے جب ایک طرف عالم کی بنیاد رکھی، تو اسی کے ساتھ دوسری طرف قصرِ نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی، یعنی عالم میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا تھا، اسی کو قصر نبوت کی خشتِ اوّل قرار دیا، ادھر عالم بتدریج پھیلتا رہا، ادھر قصرِ نبوت کی تعمیر ہوتی رہی، آخرکار عالم کے لیے جس عروج پر پہنچنا مقدر تھا، پہنچ گیا، ادھر قصرِ نبوت بھی اپنے جملہ محاسن اورخوبیوں کے ساتھ مکمل ہوگیا اوراس لیے ضروری ہوا کہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی تھی، اس کے انتہاء پر رسولوں کے خاتمے کا بھی اعلان کردیا جائے؛ تاکہ قدیم سنت کے مطابق آئندہ اب کسی رسول کی آمد کا انتظار نہ رہے۔

میں آخری رسول ہوں

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ. (الاعراف:۳۵)

اے آدم کی اولاد! تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں گے جو میری آیتیں تمہیں

پڑھ کرسنائیں گے۔

اس اعلان کے مطابق زمین پر بہت سارے رسول آئے؛ مگر کسی نے یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ خاتم النّبیین ہے؛ بلکہ ہر رسول نے اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت سنائی اور ان کی علامات کو ذکر فرمایا کرتے تھے؛ تاکہ آنے والے نبی کو پہچان لیں حتی کہ وہ زمانہ بھی آگیا جب کہ اسرائیلی سلسلے کے آخری رسول نے ایسے رسول کی بشارت سنادی جس کا اسم مبارک ''احمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ. (الصّف:۶)

عالم کے اس منتظر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مبشر رسول نے دنیا میں آکر ایک نیا اعلان کیا اور وہ یہ تھا کہ میں آخری رسول ہوں، عالم کا زمانہ بھی آخر ہے اور ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: میں اور قیامت اس طرح قریب قریب ہیں، عالم اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے، قصرِ نبوت میں ایک ہی اینٹ کی کسر باقی تھی، وہ میری آمد سے پوری ہوگئی ہے، دونوں تعمیریں مکمل ہوگئیں ہیں۔

قرآن کریم میں آپ کی ختم نبوت کا اعلان

قرآن کریم میں آپ کی ختم نبوت کا اعلان مندرجہ الفاظ میں کیا گیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠. (الاحزاب:۴۰)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے نسبی باپ نہیں ہیں؛ بلکہ روحانی باپ ہیں، دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ علیہ السلام کو کسی بالغ مرد کا باپ نہیں بنایا گیا جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ آپ کی اولاد میں نبوت کا سلسلے جاری رہ سکتا ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے اجراء کے لیے نہیں آئے؛ بلکہ سلسلہٴ نبوت کو ختم کرنے کے لیے تشریف لے آئے ہیں، اب قیامت تک نہ کسی قسم کا کوئی رسول آئے گا نہ نبی۔

ختم نبوت کا عقیدہ تقریباً سو قرآنی آیات سے اشارۃً یا صراحۃً ثابت ہے، دوسو سے زاید احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

ختم نبوت کے اعلان کی حکمت

علماء محققین لکھتے ہیں کہ ختم نبوت کے اعلان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا متنبہ ہو جائے کہ یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہیں اور یہ دین آخری دین ہے، اب نہ کوئی رسول آئے گا، نہ نبی، نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ ظلی نہ بروزی، اس لیے کہ اب منصبِ نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

یعنی اب تک جتنے رسول آئے، وہ صرف رسول اللہ تھے، آپ رسول اللہ ہونے کے ساتھ خاتم النّبیین بھی ہیں، اس بناء پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور کے لیے دو باتوں کا تصور ضروری ہے، پہلی بات آپ رسول اللہ ہیں، دوسری بات خاتم النّبیین بھی ہیں، آپ سے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور ادھورا اور نا تمام تصور ہے؛ بلکہ ان دونوں تصوروں میں امتیازی تصور خاتم النّبیین ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ختمِ نبوت کا اعلان فرمایا۔

ختم نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی شان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا، فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ، وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ:هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ.

(رواہ جماعۃ ورواہ البخاری عن ابی ھریرۃ: ۳۵۳۵)

میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے بہت ہی حسین وجمیل محل بنایا؛ مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس کے ارد گرد گھومنے اور اس پر عش عش کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ ایک اینٹ بھی کیوں نہیں لگا دی گئی؟ (اگر لگا دی جاتی، تو کیا ہی بہتر ہوتا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں وہی کونے کی آخری اینٹ ہوں اور میں نبیوں کے آخر میں آنے والا ہوں۔

دیگر انبیاء پر آپ کو فضیلت

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

(رواہ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، کتاب المساجد: ۵۲۳)

مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔

(۱) مجھے جوامع الکلم عطا کے گئے ہیں۔

(۲) رعب وجلال (ہیبت ودبدبہ) سے میری مدد کی گئی ہے۔

(۳) میرے لیے مال غنیمت کو حلال کردیا گیا ہے (سابقہ امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا)۔

(۴) زمین کی مٹی کو میرے لیے (وضو کے لیے) طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے اور میرے لیے تمام زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ بنائی گئی ہے۔

(۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے (گذشتہ انبیاء علیہم السلام خاص خاص قوموں اوعلاقوں کی طرف ایک محدود زمانہ کے لیے مبعوث ہوتے تھے)

(۶) مجھ پر انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کو ختم کردیا گیا (اب کسی کو نبی بنایا نہیں جائے گا)۔

مذکوہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک کے تمام انسان وجنات کے لیے نبی بنایا جانا اور آپ علیہ السلام پر سلسلہء نبوت کو ختم کرنا، یہ آپ کی امتیازی شان ہے۔

ختم نبوت تکمیل انعام

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (المائدۃ:۳)

آج میں نے تمہارا دین کو مکمل کردیا، اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

عربی زبان میں کمال اور تمام دونوں لفظ نقصان (کمی) کے مقابل میں استعمال ہوتے ہیں، ان میں فرق یہ ہے کہ خارجی اوصاف کے نقصان (کمی بیشی) کی تکمیل کو کمال کہا جاتا ہے اور اجزاء کے اعتبار سے نقصان اور کمی کوتاہی کی تکمیل کو تمام کہا جاتا ہے۔

اس آیت میں دونوں لفظ جمع کردئے گئے ہیں اور بتایا گیا کہ دینِ اسلام اب ہر پہلو سے کامل وتام ہوچکا ہے، اللہ کی نعمت پوری ہوچکی ہے، دینِ اسلام نہ اجزاء کے اعتبار سے ناقص ہے نہ اوصاف کے اعتبار سے۔

یہ آیت کریمہ اس امت کی اس عظیم الشان خصوصی فضیلت کو بیان کررہی ہے جو باقرار اہل کتاب اس امت سے پہلے کسی کو نہیں ملی، یعنی اللہ تعالی نے اپنا دینِ مقبول اس امت لیے ایسا کامل فرمادیا کہ قیامت تک اس میں ترمیم کی ضرورت نہیں رہی۔

میں نے امت کو ایک روشن شاہ راہ پر چھوڑا ہے

عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، سیاست وحکومت شخصی واجتماعی آداب، فرائض وواجبات، مستحبات ومکروہات، اور حلال وحرام کے جملہ قوانین اور قیامت تک لیے تمام معاش ومعاد کے ضروری وبنیادی اصول خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق ہوں؛ امت کے لیے اس طرح واضح کردئے گئے ہیں کہ اب یہ امت تا قیامِ قیامت کسی نئے دین، یا نئے نبی کی شریعت کی محتاج نہیں رہی، اس خیرِ امت کے نبی اس دنیا سے رخصت ہوئے، تو اپنی امت کے لیے یک ایسی صاف وسیدھی اور روشن شاہ راہ تیار فرماکر گئے کہ جس پر چلنے والے کو دن ورات میں کوئی خطرہ نہیں۔

قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا. (ابن ماجہ: ۴۳)

میں نے تمہیں ایک ایسے صاف روشن اور سیدھے راستے پر چھوڑا ہے کہ جس کی رات اور دن برابر ہیں، (حق وباطل واضح رہیں گے) لہذا یہ امت کسی نئے دین اور نئے نبی کی محتاج نہیں ہے۔

ختمِ نبوت دینِ محمدی کا عظیم کمال

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

هذه اكبر نعم الله عزوجل على هذه الامة، حيث اكمل تعالىٰ لهم دينهم، فلايحتاجون الى دين غيره، ولا الى نبي غير نبيهم. صلوات الله وسلامه عليه. ولذا جعله الله تعالىٰ خاتم الانبياء، وبعثه الى الجن

والانس الخ. (تفسیر ابن کثیر، المائدۃ:۳)

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے امت کے دین کو کامل کر دیا ہے، اب اسے نہ کسی اور دین کی ضرورت ہے، نہ کسی نبی کی، اسی لیے آپ کو خاتم النّبیین بنایا ہے اور انسان وجنات سب کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی امت آخری امت ہے۔

معلوم ہوا کہ ختمِ نبوت دینی ارتقاء اور دین محمدی کا عظیم الشان کمال ہے کہ اس سے بڑا اور کوئی کمال اور اس امت کے لیے اس سے بڑا کوئی انعام نہیں ہوسکتا۔

میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

أَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ.

(رواہ ابن ماجہ عن نواس بن سمعان فی حدیث طویل، فتنۃ الدجال:۴۰۷۷)

میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔

دین الٰہی کبھی ناقص نہیں رہا

امام فخر الدین رازیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

ان الدین ما کان ناقصا البتة، بل کان ابدا کاملا، یعنی کانت الشرائع النازلة من عند اللہ تعالیٰ کافیة فی ذالك الوقت الا انه تعالی کان عالما فی اول وقت االمبعث بان ماھو کامل فی ھذا الیوم لیس بکامل فی الغد، ولا صلاح فیه، فلاجرم کان ینسخ بعد الثبوت، وکان یزید بعد العدم، واما فی آخر زمان المبعث، فانزل اللہ تعالی شریعة کاملة، وحکم ببقائها الی یوم القیامة، فالشرع ابدا، کان کاملا الا ان الاول کمال الی وقت مخصوص، والثانی کمال الی یوم القیامة، فلاجل ھذا المعنی قال: الیوم اکملت لکم دینکم. (التفسیر الکبیر، المائدۃ:۳، ۱۱/۱۰۹)

دین الٰہی کبھی ناقص نہیں تھا؛ بلکہ ہمیشہ سے کامل تھا اور تمام شرائع الٰہیہ اپنے اپنے وقت

کے لحاظ سے بالکل کامل اور کافی تھیں؛ مگر اللہ تعالیٰ پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وہ شریعت جو آج کامل ہے، کل کے لیے کافی نہ ہوگی، اس لیے اس کو وقت مقررہ پر پہنچ کر منسوخ کردیا جاتا تھا؛ لیکن آخر زمانِ بعثت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی شریعت کاملہ بھیجی جو ہر زمانے کے اعتبار سے کامل ہے اور تا قیامِ قیامت اس شریعت کے باقی رہنے کا فیصلہ فرمایا، خلاصہ یہ کہ پہلی شریعتیں بھی کامل تھیں؛ مگر ایک مخصوص وقت تک کے لیے اور یہ شریعت قیامت تک کے لیے کافی اور کامل ہے، اسی معنی کے بنا پر الیوم اکملت لکم دینکم فرمایا ہے۔

غرض یہ کہ سابقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مخصوص قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے اور ان کی شریعتیں بھی مخصوص وقت کے لیے ہوتی تھیں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے تمام انس وجن کے لیے مبعوث ہوئے، آپ کی شریعت کامل ہے اور قیامت تک لیے کافی ہے، یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شرافت اور آخر الامم کی مخصوص فضیلت ہے۔

(مستفاد: ختم نبوت: ۱۳۳ تا ۱۳۸، ترجمان السنۃ)

جھوٹے مدعیانِ نبوت سے متعلق پیشین گوئی

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہیں، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ قیامت تک کیسے خوف ناک فتنے امت میں پیش آئیں گے اور ان فتنوں کے سربراہ کون لوگ ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے جس قدر مناسب وضروری سمجھا، اسی کے بقدر فتن وحوادث کی کچھ تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں، ان میں عقیدۂ ختم نبوت میں رخنہ پیدا کرنے والے جھوٹے مدعیانِ نبوت کی تفصیلات یا ان سے متعلق اشارات بھی شامل ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي. (ترمذی، ابواب الفتن، باب لاتقوم الساعۃ الخ: ۲۲۱۹)

قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ بہت سے دجال اور جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھائے نہیں جائیں گے جن میں سے ہر ایک یہ کہے گا وہ نبی ہے؛ حالاں کہ میں خاتم النّبیین ہوں، میرے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔

اسود عنسی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام ہی میں دو جھوٹے نبی پیدا ہوئے، جن میں ایک اسود عنسی ہے، جس کا نام عبلہ بن کعب تھا، عنسی لقب تھا، ''صنعاء یمن'' میں تقریباً تین ماہ نبوت کا دعوی کیا، اس علاقے کے چند لوگوں نے اس کی اتباع بھی کر لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین دن قبل حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اس کو جہنم رسید کیا، آپ علیہ السلام نے حضرات صحابہ کو اس کی خوش خبری سنائی۔

مسیلمہ کذاب

دوسرا شخص مسیلمہ بن ثمامہ بن حبیب ہے، جو قبیلہ بنوحنیفہ کا آدمی تھا، مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا ۹ھ میں قبیلہ بنوحنیفہ کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوا، تقریباً تیرہ افراد کا قافلہ تھا جن میں یمن کے مشہور صحابیٔ رسول طلق بن علیؓ بھی تھے، رملہ بنت حارث کے مہمان بنائے گئے، صبح شام گوشت، روٹی، گوشت دودھ اور گوشت گھی سے ان کی میزبانی کی گئی، دوسرے دن یہ حضرات مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کرلیا؛ لیکن مسیلمہ کذاب خیمے میں ٹھہرا رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ اوقیہ چاندی ان حضرات کو بطور ہدیہ عطا یا فرمائی، مسیلمہ کا حصہ بھی دیا اور فرمایا: مسیلمہ تم سے کم درجے کا آدمی نہیں ہے (چوں کہ وہ تمہارے سامان کی حفاظت کر رہا ہے، اس لیے تمہارے برابر وہ بھی ہدیے کا مستحق ہے) یہ حضرات اپنے خیمے میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بات اور ہدیے کا ذکر کیا، تو اس نے کہا: انھوں نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ ان کے بعد مجھے منصب ملنے والا ہے، پھر ''یمامہ'' جا کر نبوت کا دعوی کر دیا۔

یہ شخص مجھ سے یہ چھڑی مانگے، تو وہ بھی اس کو نہیں دوں گا

مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کے ساتھ بنوحنیفہ کے وفد کی خاطر داری اور مسیلمہ کے اسلام کی امید، یا اتمامِ حجت کے لیے خود اس کے پاس تشریف لیے گئے، تو کہنے لگا، اگر محمد

امر (سلطنت وغیرہ) کا میرے لیے فیصلہ کردیں، تو میں ان کی اتباع کروں گا، آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی، آپ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: اگر یہ شخص مجھ سے یہ چھڑی مانگے، تو وہ چھڑی بھی میں اس کو نہیں دوں گا اور فرمایا: تو اللہ کے امر (عذاب) سے بچ نہیں سکتا، پھر فرمایا: اگر تو یہاں سے (صحیح سالم) چلا بھی گیا، تو اللہ تجھ کو ہلاک وبرباد کردے گا اور مجھے خواب میں تیرے متعلق (حال) بتایا گیا ہے اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرمایا: یہ تجھ کو بتائیں گے۔

(بخاری، باب علامات النبوۃ: ۳۶۲۰ عمدۃ القاری ۱۱/۳۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ ﷺ کو خواب میں دکھایا گیا کہ آپ کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں، ان کی وجہ سے مجھے بہت پریشانی (شدید فکر لاحق) ہوئی، تو میرے پاس وحی آئی کہ ان پر پھونک مارو، چناں چہ میں نے پھونک ماری، تو وہ اڑ گئے، میں اس خواب کی تعبیر دو جھوٹے شخصوں سے لی جو میری نبوت کے بعد نبوت کا دعوی کریں گے، ایک اسود عنسی ہے اور دوسرا شخص صاحبِ یمامہ مسیلمہ کذاب ہے۔ (بخاری، باب علامات النبوۃ: ۳۶۲۱، عمدۃ القاری ۱۱/۳۵۶)

عقیدۂ ختم نبوت پر حضراتِ صحابہ کا اجماع

حضرات صحابہ کرام جو خاتم النّبیین وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے سب سے پہلے مخاطب تھے، انہوں نے قرآنی آیات اور احادیث رسول اللہ کا صاف صاف مطلب یہی سمجھا کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام پر نبوت کو ختم کردیا گیا ہے، آپ کے بعد کوئی نبوت کا دعوی کرے، تو وہ جھوٹا ہے، یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوت وعہدِ خلفائے راشدین میں جو جھوٹے پیدا ہوئے، ان کا مقابلہ کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا اور ایک بڑی جماعت جو اذان ونماز اور روزے کے قائل تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے منکر نہیں تھی، مسیلمہ کے ساتھ ہوگئی، تمام مہاجر وانصار صحابہ کرام (جو آپ ﷺ کے تربیت وصحبت یافتہ تھے) نے مسیلمہ کذاب کو دعوی نبوت اور اس کی جماعت کو اس کی تصدیق کی بنا پر کافر اور واجب القتل سمجھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکرین ختم نبوت کے خلاف اعلان جنگ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے منکرین ختم نبوت کے خلاف اعلان جنگ کیا اور تمام منکرینِ ختم نبوت کو کیفر کردار تک پہنچایا، صحابہ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ لوگ اہلِ قبلہ، کلمہ گو ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوۃ ادا کرتے ہیں، ان کو کیسے کافر سمجھ لیا جائے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابتداءاً اختلاف کرنا، شرح صدر کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موافقت کرنے کی جو تفصیلات کتبِ احادیث میں منقول ہیں، وہ منکرین زکوۃ سے متعلق ہیں نہ کہ منکرین ختم نبوت سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی ہے، بے شمار قبائل مرتد ہوچکے ہیں، بعض نے زکوۃ دینے سے انکار کردیا ہے، اس کے علاوہ مسلمان اندرونی وبیرونی دشمنوں کے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں، مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں ہیں: ان تمام حالات کی پرواہ کئے بغیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی امارت میں ایک لشکر ''یمامہ'' کی جانب مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، مسیلمہ کذاب نے چالیس ہزار لشکر کے ہم راہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کیا، جن میں سے تقریباً اٹھائیس ہزار قتل ہوئے اور مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشیؓ نے جہنم رسید کیا اور وہ فخر کرتے تھے کہ میں زمانہء اسلام میں سید الشہداء کو قتل کیا اور زمانہء اسلام میں ایک بدترین شخص کو جہنم رسید کیا اور اس معرکے میں تقریباً بارہ سو صحابہ نے تحفظ ختم نبوت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہے، جن میں سات سو قراء صحابہ بھی تھے۔ (مستفاد از ختم نبوت، مرتب: مفتی شفیع عثمانیؒ: ۳۰۲)

تابعین وسلف صالحین کا عمل

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں حارث نامی شخص نے نبوت کا دعوی کیا، خلیفہ عبدالملک نے حضرات صحابہ وتابعین کے متفقہ فتوے وفیصلے سے اس کو قتل کرکے سولی پر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چڑھا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر دعویٰ نبوت ضلالت

امام طحاویؒ نے اپنی تصنیف لطیف ''عقیدۃ الطحاوی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

کل دعوۃ نبوۃ بعد نبوتہ فغی، وھوی، وھو المبعوث الی عامۃ الجن، و کافۃ الوری بالحق والھدی. (عقیدۃ الطحاوی:۴۸)

ہر دعویٰ نبوت آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد گمراہی وضلالت ہے؛ بلکہ اسلام سے خروج وبغاوت ہے، آپ کو تمام جن وانس کی جانب حق اور ہدایت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

قاضی عیاضؒ ''شفاء'' میں مذکورہ تحریر فرماتے ہیں:

فعل ذالك غیر واحد من الخلفاء، والملوك باشباھھم، وأجمع علماء وقتھم علی صواب فعلھم، والمخالف فی ذالك من کفرھم کافر.

(کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، الباب الثالث فی حکم من سب اللہ الخ، الفصل السادس:۴۰۷)

اخبر ﷺ أنہ خاتم النبیین، لا نبی بعدہ، واخبر عن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین، وأنہ ارسل کافۃ للناس، وأجمعت الامۃ حمل ھذا الکلام علی ظاھر، وان مفھومہ المراد بہ دون تاویل، وتخصیص، فلاشك، فیکفر ھولاء الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا.

(کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، الباب الثالث فی حکم من سب اللہ الخ، الفصل الرابع فی حکم:۴۰۱)

الغرض

الغرض قرآن، حدیث، صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین اور علماء وسلف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں، ختم نبوت آپ کی شان ہے، امت کے لیے انعام ہے، جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے، جو شخص محمد رسول اللہ کو خاتم النّبیین نہ سمجھے، وہ بھی کافر ہے اور جو جھوٹے نبی کی تصدیق کرے، وہ بھی کافر ہے۔

لہٰذا عہدِ نبوت ہی میں دعویٰ کرنے والے جھوٹے مدعیانِ نبوت مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ، سجاح سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک سب کافر ہیں اور ان کی تصدیق

کرنے والے بھی کافر ہیں، جو بھی شخص قیامت تک نبوت کا دعوی کرے، وہ بھی کافر ہے، حضرت عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام قربِ قیامت میں دنیا میں محمد رسول اللہ خاتم النّبیین کے خلیفہ کی حیثیت سے تشریف لے آئیں گے نہ کہ بحیثیت نبی۔

عقیدۂ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری

☆-ناموس رسالت کی پاسبانی اور ختم نبوت کا تحفظ ہر مسلمان کا اولین فرض، دینی غیرت کا تقاضا اور عشق رسول کی پکار ہے۔

☆-عقیدۂ ختم نبوت دین کے بنیادی اور بدیہی عقائد میں سے ہے،اس کی حقیقت، حیثیت وحکم اور اس سے متعلقہ تفصیلات کا جاننا بنیادی ذمہ داری ہے اور عامۃ المسلمین کو اس اہم عقیدے سے متعلق آگاہ کرنا؛ تاکہ امت اپنے بنیادی عقیدے کو جاننے اور کسی بھی جھوٹے مدعیٔ نبوت کے دجل وفریب کا شکار نہ ہو۔

☆-ختم نبوت عقیدہ بھی ہے اور عقیدت بھی، ختمِ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان ہے اور آپ کے لیے خصوصی انعام،اب کوئی نبوت کا دعوی کرے،تو وہ آپ کا گستاخ اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی گستاخِ رسول ہیں،لہٰذا ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیے اس طرح کے مدعیانِ نبوت کی خبر لینا اور امت کے بھولے بھالے مسلمان جوان کا شکار ہوگئے ہیں،ان مکاروں کے چنگل سے نکالنا اور اس طرح کے کذابوں سے امت کی حفاظت کرنا۔

☆-علماء،خطباء،ائمہ حضرات کا ختمِ نبوت پر مشتمل آیات واحادیث کی تشریح کے موقع پر اپنے خطبات،مواعظ ودروس میں بطور خاص روشنی ڈالنا، نیز سیرۃ النبی کے عنوان پر منعقد ہونے والے جلسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امتیازی شان کو ممتاز بنا کر بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

☆-عام فہم اور آسان انداز میں عقیدۂ ختم نبوت سے متعلق اردو،مقامی اور دیگر علاقائی زبانوں میں چھوٹے چھوٹے رسائل کی اشاعت اور انہیں عامۃ المسلمین تک پہنچانے کا انتظام واہتمام کرنا۔

☆-جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی لیا جائے تو ''سید المرسلین وخاتم النّبیین'' کی تعبیر اختیار کی جائے ؛ تاکہ آپ کی ختم نبوت کا بار بار تذکرہ ہو؛ تاکہ عوام وخواص کے ذھن میں یہ عقیدہ راسخ ہوجائے۔

علامہ قسطلانی شارح بخاری تحریر فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضری دینے والوں کے لیے صلوۃ وسلام کے بہترین تعبیر السلام علیک یا سید المرسلین وخاتم النّبیین ہے۔

(المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، المقصد العاشر، الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف ۵۹۶/۳)

ناموس رسالت کی حفاظت اور جھوٹے مدعیان نبوت کے دجل وفریب سے امت کو بچانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور دیگر صحابہ نے جس طرح کی قربانیاں پیش کیں، محدث العصر علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ، آپ کے تلامذہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی اور حضرت مولانا مرتضی حسن چاندپوری اور مولانا یوسف بنوری وغیرہ اکابر دارالعلوم نے جس طرح غلام احمد قادیانی کا مقابلہ کیا، اس کے شر وروفتن سے امت کو آگاہ کیا اور اس کے لیے جانی ومالی قربانیاں پیش کیں، اگر ہم اپنی قدرت کے بقدر کوشش نہیں کریں گے، تو ہم اللہ کے پاس کیا جواب دیں گے؟ اور میدان محشر میں حوض کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں کیا منہ لے کر جائیں گے؟

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ختم نبوت

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا وہ تاریخ جملہ بھی ہمیں یاد رکھنا ہوگا ''اگر ہم تحفظِ ختمِ نبوت نہ کرسکیں، تو گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے''۔

بروز جمعہ ۲۶/اگست ۱۹۳۲ء کو جامع مسجد، ''بہاول پور'' میں علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کو نماز جمعہ ادا کرنی تھی، مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی، قرب وجوار کے گلی کوچے نمازیوں سے بھرے ہوئے تھے، نماز کے بعد علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

میں خونی بواسیر کے مرض کے غلبے سے نیم جان تھا، ڈابھیل کے لیے سفر کے لیے پابرکاب تھا کہ اچانک شیخ الجامعہ (بھاول پور) کا مکتوب مجھے ملا، جس میں بہاول پہنچ کر مقدمے

کی شہادت (ختم نبوت اور قادیانی کے کافر ہونے کی) دینے کے لیے لکھا گیا تھا، میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زادِراہ ہے نہیں؟ شاید یہی چیز ذریعہء نجات بن جائے کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا جانب دار بن کر یہاں آیا ہوں، یہ جملہ سن کر مجمع بے قرار ہو گیا۔

آپ کے ایک شاگر مولانا عبدالحنان ہزاریؒ آہ وبکا کرتے ہوئے کھڑے ہوئے اور مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں ہے، تو پھر اس دنیا میں کس کی مغفرت متوقع ہوگئی؟ اس کے علاوہ مزید چند توصیفی کلمات عرض کئے، جب وہ صاحب بیٹھ گئے، تو حضرت شاہؒ صاحب نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ان صاحب نے ہماری تعریف میں مبالغہ کیا ہے؛ حالاں کہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ

"گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے، اگر ہم تحفظِ ختمِ نبوت نہ کر سکیں"

حضرت شاہ صاحب اس مقدمے سے فارغ ہو کر ڈابھیل تشریف لے گئے؛ لیکن چند ہی دن میں مرض نے مزید شدت اختیار کر لی دوبارہ آپ دیوبند تشریف لے آئے اور آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ (مستفاد: کمالات انوری، احتساب قادیانیت ۳۶/۳)

عبداللطیف قاسمی

خادم تدریس جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

۲۶/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۵/دسمبر ۲۰۱۸ء



مسلمان کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ :قِيلَ مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ ،وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ ، وَإِذَا عَطَسَ ،فَحَمِدَ اللهَ ،فَسَمِّتْهُ ،وَإِذَا مَرِضَ ،فَعُدْهُ،إِذَا مَاتَ،فَاتَّبِعْه.

(صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام: ۲۱۶۲)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! وہ کون سے حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مسلمان سے ملو، تو اس کو سلام کرو، جب وہ تم کو دعوت دے، تو اس کی دعوت قبول کرو، جب وہ تم سے نصیحت (خیر خواہی، مشورہ) طلب کرے ،تو اس کو اچھی نصیحت (خیرخواہی کا معاملہ) کرو، (صحیح ومناسب مشورہ دو) جب وہ چھینک کے بعد الحمدللہ کہے ،تو اس کی چھینک کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہواور جب وہ بیمار ہوجائے ،تو اس کی عیادت کرواور جب وہ فوت ہوجائے ،تو اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرو۔



أُعْبُدُوا الرَّحْمَنَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الجَنَّةَ بِسَلَامٍ.(ترمذی، فضل اطعام الطعام: ۱۸۵۵)

اے لوگو! خداوندرحمن کی عبادت کرو، بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ (محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ اور سلام کو عام کرو، توتم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

سلام اور اسلام

دنیا کی تمام متمدن و مہذب قوموں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت، جذبۂ اکرام وخیراندیشی کا اظہاراور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کے لیے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج ہے، ہمارے ملک میں ہمارے برادرانِ وطن ملاقات کے وقت ''نمستے'' کہتے ہیں، اس نام نہاد ترقی یافتہ زمانے میں Good'Night/Good'Morning اور بعض روشن خیال حضرات ''صبح بخیر''شب بخیر'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ کا بیان ہے کہ قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے، تو ایک دوسرے کو ''حَيَّاكَ اللّٰهُ'' (اللہ تم کو زندہ رکھے،) ''أَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا'' (اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھ کو ٹھنڈا کرے) ''أَنْعِمْ صَبَاحًا'' (تمہاری صبح خوش گوار ہو) وغیرہ الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے، تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الآداب، باب فی الرجل یقول انعم اللہ بک عینا: ۵۲۲۷)

یعنی ان الفاظ کے بجائے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کی تعلیم دی گئی، جس کا معنی ہے ''تم ہر تکلیف اور رنج ومصیبت سے سلامت رہو''۔

ابن العربیؒ نے ''احکام القرآن'' میں فرمایا: لفظ ''سلام'' اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور ''السلام علیکم'' کے معنی ہیں ''اللہ رقیب علیکم'' اللہ تمہارا محافظ ہے۔

(مستفاد از معارف القرآن ۲/۵۰۱)

سلام کی جامعیت ومعنویت

سلام نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، یہ کلمہ پیار ومحبت اور اکرام کے اظہار کے لیے بہترین لفظ ہے اور اس لفظ کی کئی معنوی خصوصیات ہیں:

(۱) سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

(عقد البخاری ترجمۃ باب بلفظ ''السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ'' کتاب الاستیذان، باب: السلام من اسماء اللہ تعالی ۲/۹۲۰)

(۲) اس کلمے میں صرف اظہار محبت ہی نہیں ؛ بلکہ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ تمام آفات اور آلام سے محفوظ رکھیں۔

(۳) عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی دعا نہیں ؛ بلکہ حیاتِ طیبہ کی دعا ہے۔

(۴) سلام کرنے والا اپنی زبانِ حال سے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو، تمہاری جان، مال اور آبرو کا میں محافظ ہوں۔

(۵) تذکیر ہے، یعنی اس لفظ کے ذریعے اس بات کا اظہار بھی ہے کہ ہم اور تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو اس کے ارادے و مشیت کے بغیر نفع، ونقصان نہیں پہنچا سکتے۔

(۶) یہ کلمہ اپنے سے چھوٹوں کے لیے شفقت، مرحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لیے اکرام و تعظیم کا لفظ بھی۔

(۷) قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال ہوا ہے اور اس میں عنایت اور محبت کا رس بھرا ہوا ہے، چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ

سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ.

سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهَارُوْنَ.

سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ.

سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ.

سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی.

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کیا جاتا تھا۔

(۹) تمام ایمان والوں کو نماز میں بھی اس لفظ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۱۰) آخرت میں مؤمنین کے جنت میں داخلے کے وقت کہا جائے گا۔

سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ادۡخُلُوا الۡجَنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۳۲ . (النحل:۳۲)
سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ۝۲۴ . (الرعد:۲۴)
سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ ۝۵۸ . (یس:۵۸)

(مستفاد از معارف القران ۲/۵۰۱، معارف الحدیث ۶/۱۴۹)

سلام کی اہمیت وفضیلت

سلام اسلام کا شعار، سلام جنتیوں کا سلام، اللہ سے قریب کرنے والا، محبتوں کو پیدا کرنے والا، نفرتوں، کدورتوں اور عداوتوں کو مٹانے والا ہے، باہمی تعلق واعتماد کا وسیلہ اور فریقین کے لیے موجبِ طمانیت ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو باہم سلام کو رواج دینے اور عام کرنے کی بڑی تاکید فرمائی کہ اسلامی دنیا کی فضا اس کی لہروں سے معمور رہے، سلام کو افضل الاعمال قرار دیا اور اس کے فضائل، برکات اور اجر وثواب کو بیان فرمایا ہے۔

سلام کی سنت حضرت آدم علیہ السلام سے چلی ہے

چناں چہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا، تو ارشاد فرمایا: اے آدم! فرشتوں کی اُس جماعت کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو، چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام گئے اور فرشتوں کی ایک جماعت سے السلام علیکم فرمایا، فرشتوں نے جواب میں عرض کیا: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! یہ سلام تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے۔

(بخاری، کتاب الاستیذان، باب بدأ السلام: ۶۲۲۷)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے، جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ، تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اِس پر عمل کرلو، تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائے گی، وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کے لیے خواہ اُس سے جان پہچان ہو، یا نہ ہو سلام کرو۔

(مسلم، کتاب الایمان، باب لایدخل الجنۃ الا المؤمنون: ۹۳)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُعْبُدُوا الرَّحْمَنَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (ترمذی، فضل اطعام الطعام: ۱۸۵۵)

اے لوگو! خداوند رحمن کی عبادت کرو، بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ (محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ، اخلاص اور محبت کے ساتھ کھانا کھلایا جائے) جو لوگوں کو جوڑنے اور باہم محبت والفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے) اور سلام کو عام کرو، تو تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہونچ جاؤ گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا:

يَا بُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُونُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ. (ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب، باب ماجاء فی التسلیم اذا دخل بیتہ: ۲۶۹۸)

اے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ، تو سلام کیا کرو، یہ سلام تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت کا سبب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

أَيُّ الإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ، وَعَلَى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

(بخاری، کتاب الاستیذان، باب السلام للمعرفۃ وغیر المعرفۃ: ۶۲۳۶)

کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے بندوں کو کھانا کھلانا، جانا پہچانا اور انجان ہر ایک کو سلام کرنا، سب سے افضل عمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کو مسلم معاشرے میں عام کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی ہے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے ملاقات کرے، تو اس کو سلام کرے، پھر کچھ دیر بعد دیوار، درخت یا پتھر درمیان میں حائل ہوجائے، تو پھر دوبارہ سلام کرے، یعنی جتنی

بار ملاقات ہو، اتنی بار سلام کرتا رہے۔ (ابوداوٗد، کتاب الآداب، باب فی الرجل یفارق الرجل: ۵۲۰۰)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے۔ (رواہ احمد عن جابر بن عبداللہ: ۱۴۵۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا حضرات صحابہ کرامؓ پر غیر معمولی اثر ہوا اور ان حضرات نے سلام کو اپنی عملی زندگی کا ایک جزء لاینفک بنالیا، اس کا اندازہ ہم مندرجہ ذیل واقعے سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت طفیل بن ابی بن کعبؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ مجھے لے کر اکثر بازار جایا کرتے تھے، بازار میں تاجر، خریدار، مسکین، گری پڑی چیز اٹھانے والا، غرض ہر شخص کو جس سے ملاقات ہوتی، سلام کرتے، ایک دن میں نے عرض کیا، حضرت! بازار میں آپ نہ خرید وفروخت کرتے ہیں، نہ بازار میں آپ کسی مجلس میں شریک ہوتے ہیں، لہٰذا بازار جانے کے بجائے، آپ یہاں تشریف رکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کریں، ہم سنیں گے، تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اے بطین (پیٹ والے) ہم بازار صرف مسلمانوں کو سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں (کہ بازار میں لوگ ضروریات کی وجہ سے زیادہ رہتے ہیں اور ہم زیادہ مسلمانوں سے ملاقات کریں گے، انھیں سلام کریں گے اور زیادہ ثواب حاصل کریں گے۔ (رواہ مالک فی الموطا، جامع السلام: ۳۵۴۳)

سلام کا اجر وثواب

سلام کرنا سنت ہے، جواب دینا واجب ہے، واجب کا ثواب سنت سے زیادہ ہوتا ہے؛ لیکن سلام کرنے کی سنت کا ثواب جواب دینے کے واجب سے زیادہ ہے۔

(مرقات المفاتیح، کتاب الآداب، باب السلام ۸/ ۴۱۲)

جب کسی مسلمان کو سلام کیا جائے، تو اس کے ذمہ جواب دینا واجب ہے، اگر کسی شرعی عذر کے بغیر جواب نہ دے، تو گنہگار ہوگا؛ البتہ جواب دینے میں دو باتوں کا اختیار ہے، ایک یہ کہ جن الفاظ سے سلام کیا گیا ہے، اُن سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے، دوسرے یہ کہ

بعینہ انہیں الفاظ سے جواب دیا جائے۔ (معارف القران ۲/ ۵۰۴)

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور ''السلام علیکم'' کہا، آپ علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گئے، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، دس نیکیاں، کچھ دیر بعد ایک دوسرے آدمی حاضرِ خدمت ہوئے اور ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا، آپ علیہ السلام نے جواب دیا اور وہ آدمی بیٹھ گئے، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، بیس نیکیاں، کچھ دیر بعد ایک تیسرے شخص حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: تیس نیکیاں۔

(ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب، باب ماذکر فی فضل السلام: ۲۶۸۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہر ایک کلمے پر دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، مکمل سلام پر تیس نیکیاں ملتی ہیں، لہٰذا سلام کرنے میں تمام الفاظِ سلام کو استعمال کرنا چاہیئے۔

سلام کے آداب

(۱) سلام کرنے میں پہل کرے، اس لیے کہ سلام کرنے میں پہل کرنے سے عاجزی اور تواضع پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو بندوں سے تواضع نہایت محبوب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرنے والا ہو۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الآداب، باب فی فضل من بدأ السلام: ۵۱۹۷)

ایک روایت میں ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرنے والا کبر ونخوت سے بری ہوتا ہے۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان، باب مقاربۃ اھل الدین ومواد تھم: ۸۴۰۷)

(۲) سلام کرنے والا اور سلام کا جواب دینے والا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' صیغہء جمع استعمال کریں، اگرچہ مخاطب اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔ (الاذکار النوویۃ: ۱۹۴)

(۳) سلام اتنی بلند آواز سے کرے کہ سلام کئے جانے والے کو بآسانی آواز پہنچ جائے، ورنہ جواب کا مستحق نہ ہوگا، نیز جواب دینے والا بھی اسی طرح بلند آواز سے جواب دے، ورنہ جواب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (الاذکار النوویۃ: ۱۹۵)

(۴) جب کوئی سلام کرے، تو بہتر طریقے پر جواب دینا، کم از کم ویسے ہی الفاظ سے جواب دینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا. (النساء:۸۶)

جب تمہیں سلام کیا جائے، تو تم سلام کرنے والے کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں جواب دو، یا اس جیسے الفاظ میں جواب دو۔ (النساء:۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے اس آیت کی تشریح اس طرح فرمائی کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم'' آپ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا کہ ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' پھر ایک صاحب آئے، انہوں نے سلام میں یہ الفاظ کہے ''السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ورحمۃ اللہ'' آپ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب آئے، انہوں نے اپنے سلام میں تینوں کلمے بڑھا کر کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' آپ نے جواب میں صرف ایک کلمہ ''وعلیک'' ارشاد فرمایا، ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، جو حضرات مجھ سے پہلے آئے، آپ نے ان کے جواب میں کئی دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا، تو آپ نے ''وعلیک'' پر اکتفا فرمایا، آپ نے فرمایا: تم نے ہمارے لیے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے، تم نے سارے ہی کلمات اپنے سلام میں جمع کر دئے، اس لیے ہم نے تمہارے سلام کا جواب قرآنی تعلیم کے مطابق جواب بالمثل دینے پر اکتفا کر کیا، اس روایت کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مختلف اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(معارف القرآن ۲/ ۵۰۳)

(۵) عزیز، دوست، چھوٹے، بڑے، جانے پہچانے اور انجانے سب کو سلام کرے۔

(مستفاد: از بخاری، کتاب الاستیذان، باب السلام للمعرفۃ وغیر المعرفۃ: ۶۲۳۶)

(۶) چھوٹی جماعت بڑی جماعت کوسلام کرے۔

(بخاری، کتاب الاستیذان، باب تسلیم القلیل علی الکثیر :۶۲۳۱)

(۷) سوار پیدل چلنے والے کوسلام کرے۔

(بخاری، کتاب الاستیذان، باب تسلیم الراکب علی الماشی: ۶۲۳۲)

(۸) پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کوسلام کرے۔

(بخاری، کتاب الاستیذان، باب تسلیم الماشی علی القاعد: ۶۲۳۳)

(۹) چھوٹا بڑے کوسلام کرے۔ (بخاری، کتاب الاستیذان، باب تسلیم الصغیر علی الکبیر: ۶۲۳۴)

(۱۰) اپنے محارم کوسلام کرے۔ (رواہ احمد عن جریر: ۱۹۱۵۴)

(۱۱) جب گھر یا مسجد میں داخل ہو، وہاں کوئی شخص نہ ہو، تو ان الفاظ سے سلام کرے، السلام علینا وعلی عباد ہ اللہ الصالحین۔

(رواہ البیہقی عن ابی مالک، باب مقاربہ اہل الدین، باب فی سلام من دخل بیتہ: ۸۴۵۵)

(۱۲) اگر کوئی غائب شخص سلام پہنچائے، تو اس طرح جواب دے، وعلیک وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب، باب ماجاء فی تبلیغ السلام: ۲۶۹۳)

(۱۳) اگر ایک شخص ایک جماعت کوسلام کرے، تو جماعت میں سے ایک شخص کا جواب دینا کافی ہے، تمام حاضرین کا جواب دینا افضل ہے۔

(ابوداوٗد، کتاب الآداب، باب ماجاء فی رد الواحد عن الجماعۃ: ۵۲۱۰)

(۱۴) اگر سلام کرنے والی ایک جماعت ہو، تو صرف ایک آدمی کا سلام کرنا کافی ہے؛ البتہ تمام کا سلام کرنا افضل ہے۔ (الاذکار النوویۃ: ۱۹۶)

(۱۵) اگر مسلم اور غیر مسلم کا مخلوط مجمع ہو، تو مسلمان کی نیت سے سلام کرے۔

(بخاری، کتاب الاستیذان، باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط المسلمین والمشرکین: ۶۲۵۴)

(۱۶) جب کسی شخص کی ملاقات سے فارغ ہوکر رخصت ہونے لگے، تو سلام وداع یعنی واپسی کا سلام کرے، یہ بھی سنت ہے۔ (ترمذی، ابواب الاستیذان، باب السلام عند القیام: ۲۷۰۶)

(۱۷) جب کسی کے پاس کوئی تحریر لکھے، تو مرسل الیہ کے نام کے بعد "السلام علیکم" سے کلام کا آغاز کرے۔ (بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف یکتب الکتاب الی اھل الکتاب: ۶۲۶۰)

(۱۸) اگر مسلمان دور ہو، یا بہرا ہو تو ہاتھ سے اشارہ بھی کرے اور زبان سے لفظ سلام

بھی کہے،صرف اشارے پر اکتفانہ کرے۔(الاذکارالنوویۃ:۱۹۶)

(۱۹)سلام یا جوابِ سلام میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پر مزید کلمات کا اضافہ کرنا خلاف سنت ہے۔(معارف القرآن ۲/ ۵۰۴)

(۲۰)اگر کسی غیر مسلم کے پاس خط لکھے تو ''السلام علی من اتبع الھدیٰ'' تحریر کرے۔

(بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف یکتب الکتاب الی اھل الکتاب:۶۲۶۰)

کن لوگوں کوسلام کرنا مکروہ ہے

(۱)بے ایمان کوسلام کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر وہ ابتداءً اسلام کرے، تو ''علیک'' پر اکتفا کرے۔(مرقات ۸/ ۴۲۰)

(۲)زندیق کوسلام کرنا۔(ردالمحتار، مفسدات الصلوٰۃ ۲/ ۳۷۷)

(۳)جوشخص برسرعام گناہ اورفسق میں مبتلا ہو، اس شخص کوسلام کرنا مکروہ ہے۔

(بخاری، کتاب الاستیذان، من لم یسلم علی من اقترف الذنب الخ:۶۲۵۵)

(۴)جوان اجنبی عورتوں اوراجنبی مردوں کوسلام کرنا مکروہ ہے، اگر اجنبی نہایت بوڑھا یا بوڑھی ہو، توسلام کرنا جائز ہے۔(ھندیہ ۵/ ۳۲۶)

(۵)بدعتی کوسلام کرنا۔(مرقات ۸/ ۴۲۰)

نوٹ:بے ایمان کوکسی ضرورت کی وجہ سے سلام کرنا یعنی معاشرتی الفاظ استعمال کرنا مثلاً ''صبح بخیر'' آداب وغیرہ جائز ہے، مذہبی الفاظ ''نمستے'' کہنا جائز نہیں۔

(الاذکارالنوویۃ:۲۰۲، فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۲۵۶)

مندرجہ ذیل مواقع میں سلام نہ کرے

(۱)نماز پڑھنے والے۔

(۲)تلاوت کرنے والے۔

(۳)دینی باتوں(حدیث، فقہ وغیرہ)کے بیان کرنے والے۔

(۴)ذکر کرنے والے۔

(۵)اذان دینے والے۔

(۶)اقامت کہنے والے۔

(۷) جمعہ اور عیدین وغیرہ خطبات دینے والوں کو دینی امور میں مصروف ہونے کی وجہ سے سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۸) اذان، اقامت اور خطبات کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے، اگر کوئی شخص ان مواقع میں سلام کرے، تو وہ جواب کا مستحق نہیں۔ (ردالمحتار ۲/ ۳۷۵)

(۹) کھانے والے کو سلام کرنا۔

(۱۰) قضائے حاجت میں مشغول آدمی کو سلام کرنا۔

(۱۱) جماع میں مشغول آدمی کو سلام کرنا۔

(۱۲) جس آدمی کا ستر کھلا ہوا ہو، اس کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے، اس لیے کہ موجودہ صورت حال میں جواب دے نہیں سکتا۔ (ردالمحتار ۲/ ۳۷۵)

مندرجہ بالا صورتوں میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں؛ البتہ بعض صورتوں میں عمل موقوف کر کے جواب دے سکتا ہے، بعض صورتوں میں جواب کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

عبداللطیف قاسمی، غفر لہ ولوالدیہ واساتذہ اجمعین۔ آمین

خادم تدریس جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

۱۴/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، ۲۷/ جنوری ۲۰۱۳ء



عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ، شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ.

(مسلم، کتاب الزہد والرقاق، باب المؤمن امرہ کلہ خیر: ۲۹۹۹)

بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت وآرام پہنچے، تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو دکھ اور رنج پہنچتا ہے، تو صبر کرتا ہے، جو اس کے خیر کا باعث ہے۔

بیماری اور مزاج پرسی؛ آداب واحکام

دنیا دار الامتحان ہے، جس طرح ایمان سے محروم انسان کو ابتلا وآزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، اسی طرح صاحبِ ایمان کے لیے بھی ابتلا وآزمائش مقدر ہوتی ہے، اسلام کا تصور یہ ہے کہ بیماری اور شفا اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، فرماں بردار اور نافرماں کی کوئی تخصیص نہیں ہے، حضرات انبیائے کرام بھی بیمار ہوئے ہیں، سید المرسلین اور امام الانبیاء بھی متعدد مرتبہ بیماری میں مبتلا ہوئے ہیں، وفات کے موقع پر تقریباً بارہ یا چودہ دن بیمار رہے، بیماری مومن کے لیے امتحان وآزمائش ہے، دنیا میں آزمائشیں بخشش اور مغفرت کے لیے آتی ہیں، حقیقت میں بیماری ایک نعمت ہے، گناہوں کے لیے کفارہ اور رفع درجات کا سبب ہے، بیمار کو اللہ اور بندوں سے معافی تلافی اور حقوق کی ادائیگی کے لیے ایک موقع دیا جاتا ہے۔

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَالْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ، تُفَيِّئُهَا الرِّيحُ مَرَّةً، وَتَعْدِلُهَا مَرَّةً، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالْأَرْزَةِ، لاَ تَزَالُ حَتَّى يَكُونَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً. (بخاری، کتاب المرضی، باب کفارۃ المرض: ۵۶۴۳)

مومن کی مثال نرم ونازک پودے کی سی ہے، جس کو ہوائیں اِدھر سے اُدھر جھکاتی رہتی ہیں، منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے، جس کی جڑیں زمین میں نہایت مضبوط ہوتی ہیں، ہوائیں اس کو اِدھر اُدھر جھکا نہیں سکتیں؛ یہاں تک کہ اس کو یکبارگی اکھاڑ دیا جاتا ہے۔

یعنی مومن کو غفلت سے بیدار کرنے اور اس کی اخروی ترقی کے لیے بار بار آزمائشیں آتی رہتی ہیں، منافق اور بے ایمان کو مہلت دی جاتی ہے اور وہ غفلت کی زندگی میں مست ہوتا ہے؛ یہاں تک کہ اچانک اس کو موت آجاتی ہے، یا اُس پر کوئی عذاب نازل ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے لیے توبہ، استغفار اور گناہوں سے معافی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

بیماری اور پریشانی گناہوں کے لیے کفارہ

حدیث قدسی میں وارد ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يَقُولُ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا أُخْرِجُ أَحَدًا مِنَ الدُّنْيَا أُرِيدُ أَغْفِرَ لَهُ حَتَّى أَسْتَوْفِيَ كُلَّ خَطِيئَةٍ فِي عُنُقِهِ بِسَقَمٍ فِي بَدَنِهِ وَإِقْتَارٍ فِي رِزْقِهِ.

(مشکوة المصابیح بحوالہ رزین، کتاب الجنائز، باب عیادة المریض: ۱۵۸۵)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

میری عزت اور جلال کی قسم! میں جس شخص کی مغفرت کرنا چاہتا ہوں، اس کو دنیا سے نہیں نکالتا؛ یہاں تک کہ بدنی بیماری اور رزق کی تنگی میں مبتلا کر کے اس کی گردن پر موجود گناہوں سے اُس بندے کو پاک وصاف نہ کردوں۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ، مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ، وَلاَ هَمٍّ، وَلاَ حُزْنٍ، وَلاَ أَذًى وَلاَ غَمٍّ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ.

(رواہ البخاری، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارۃ المرض: ۵۶۴۱)

مسلمان کو جو تھکان، بیماری، غم ورنج، کوئی تکلیف اور غم حتی کہ کانٹا بھی چبھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

بخار گناہوں کو پاک وصاف کرتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سائب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: کیا بات ہے کہ تم لمبی لمبی سانس لے رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: بخار ہے، اللہ اس کو نامبارک بنائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبِّي الْحُمَّى، فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يُذْهِبُ الْكِيرُ

خَبَثَ الْحَدِيدِ. (مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المؤمن: ۲۵۷۵)
بخار کو برا بھلا نہ کہو؛ کیوں کہ بخار انسان کے گناہوں کو اس طرح دور کردیتا ہے، جس طرح بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کردیتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مِنْ مَرَضٍ، فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللهُ تَعَالَى بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا.

(رواہ البخاری، کتاب المرضی، باب اشد الناس بلاءً: ۵٦٤٨)

کسی مسلمان کو بیماری، یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس تکلیف اور بیماری کی وجہ سے اُس مسلمان کے گناہوں کو اس طرح (تیزی سے) گراتے ہیں، جس طرح درخت (موسمِ خزاں میں) اپنے سوکھے پتوں کو (تیزی سے) گراتا ہے، یعنی مسلمان کم وقت میں اپنے تمام گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

گناہوں کو مٹانے والی چیزوں سے خوش ہوجاؤ

ابوالاشعث صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں دمشق کی جامع مسجد میں صبح سویرا پہنچا، میری ملاقات اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت شداد بن اوس اور صنابحی رضی اللہ عنہما سے ہوئی، میں نے اُن دونوں سے عرض کیا: اللہ تم پر رحم کرے، آپ حضرات کہاں جارہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: قریب میں ہمارا ایک بھائی ہے، اس کی عیادت کے لیے ہم جارہے ہیں، تو میں بھی ان کے ساتھ ہوگیا، پھر ہم لوگ چلے اور اُس بھائی کے پاس پہنچے، ان دونوں صحابہ کرام نے اس مریض سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسی کی؟ (خیریت سے ہو) اُس مریض نے کہا: اللہ کے فضل سے صبح کی، (الحمدللہ خیریت سے ہوں) پھر حضرت شدادؓ نے فرمایا: گناہوں کو مٹانے والی اور معاف کرانے والی چیزوں سے خوش ہوجاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: إِنِّي إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنًا، فَحَمِدَنِي عَلَى مَا ابْتَلَيْتُهُ، فَإِنَّهُ يَقُومُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ كَيَوْمِ

وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا، وَيَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِي، وَابْتَلَيْتُهُ، فَأَجْرُوا لَهُ كَمَا كُنْتُمْ تُجْرُونَ لَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ.

(مسند احمد، مسند شداد بن اوس ﷺ: ۱۷۱۱۸)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جب میں اپنے کسی مؤمن بندے کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ آزمائش میں بھی میری حمد وثنا بیان کرتا ہے (تقدیر پر راضی رہ کر ثواب کی امید رکھتا ہے، صبر کرتا ہے، بے صبری، جزع وفزع اور شکوے شکایات سے احتراز کرتا ہے) تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے (گناہوں سے پاک وصاف ہوکر) اس طرح اٹھے گا، جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا ہو، اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرماتے ہیں: میں نے اپنے بندے کو عمل کرنے سے روک دیا تھا اور آزمائش میں مبتلا کر رکھا تھا، لہٰذا اس کے لیے اسی طرح اجر لکھا کرو جس طرح تم اس کی صحت کے زمانے میں اجر لکھا کرتے تھے۔

بیماری رفعِ درجات کا ذریعہ

بیماری ایک طرح سے رحمت ہے، اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے اور جنت میں درجات بلند ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ بعض بندوں کے لیے آخرت میں بلند مقام کا فیصلہ کرتے ہیں؛ مگر ان کے پاس وہ اعمال نہیں ہوتے جن کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہوسکیں، اس لیے بسا اوقات بیماریوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر کے ان کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ آخرت میں اُس بلند مقام کے اہل ہوجائیں۔

محمد بن خالد سلمی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ، ابتلاه الله فِي جسده أوفِي مَالِهِ أَوْ فِي وَلَدِهِ، ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلَى ذَلِكَ يُبَلِّغُهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِي سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللهِ.

(رواہ ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب الامراض المکفرۃ للذنوب: ۳۰۹۰)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے لیے کسی اونچے مقام کا فیصلہ فرماتے ہیں، وہ بندہ اُس مقام تک اپنے عمل سے پہنچ نہیں پاتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مالی یا بدنی مصیبت و پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں، پھر اس کو اس مصیبت پر صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں؛ یہاں تک کہ اس کو اُس مقام تک پہنچا دیتے ہیں جس کا فیصلہ خدا کی طرف سے اُس بندے کے لیے ہوا ہے۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ پریشانیاں اور بیماریاں ہمارے لیے رفعِ درجات کا ذریعہ ہیں، بشرط یہ کہ ہم صبر و ہمت سے کام لیں اور ثواب کی امید رکھیں اور خدائی فیصلے اور تقدیر پر راضی رہیں۔

مصائب وامراض پر اجر وثواب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عطا بن رباحؒ سے فرمایا:

میں تمھیں جنتی عورت نہ دکھاؤں؟، عطا بن ابی رباحؒ نے عرض کیا: ضرور دکھایئے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ وہ سیاہ فام عورت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: مجھ پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا استر کھل جاتا ہے، آپ میرے لیے اِس مرض سے شفا کی دعا فرمائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو، تو صبر کرو اور تمھارے لیے جنت ہے، اگر تم چاہو، تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تمھیں اس مرض سے نجات دے دے، اس عورت نے عرض کیا: میں صبر کروں گی، پھر اُس نے یہ درخواست کی کہ مرگی کے دورے کے دوران میرا استر کھل جاتا ہے، آپ بس اتنی دعا فرما دیجیے کہ دورے کے دوران میرا استر محفوظ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

(رواہ البخاری، کتاب المرضی، باب فضل من یصرع: ۵۶۵۲)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يُعْطَى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُودَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيضِ.

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد: ۲۴۰۲)

دنیا میں عافیت سے رہنے والے قیامت میں جب آزمائش والوں کو دیکھیں گے کہ ان کو

خوب اجر وثواب دیا جارہا ہے، تو وہ لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسموں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا اور ان کو بھی اسی طرح اجر وثواب دیا جاتا، جیسے ان آزمائش والوں کو دیا جارہا ہے۔

بیماری کے زمانے میں صحت کے زمانے کے اعمال اور ان کا ثواب

ایک صحت مند انسان جن کاموں کو کرسکتا ہے، بیمار آدمی ان کو انجام دے نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ مؤمن بندہ کسی عمل کو پابندی اور اہتمام سے کرتا ہے، مرض، سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے وہ عمل چھوٹ جائے، تو بھی اُس عمل کا اجر وثواب اس کے لیے لکھا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا كَانَ عَلَى طَرِيقَةٍ حَسَنَةٍ مِنَ الْعِبَادَةِ، ثُمَّ مَرِضَ، قِيلَ: لِلْمَلَكِ الْمُوَكَّلِ بِهِ: اكْتُبْ لَهُ مِثْلَ عَمَلِهِ إِذَا كَانَ طَلِيقًا، حَتَّى أُطْلِقَهُ، أَوْ أَكْفِتَهُ إِلَيَّ. (مسند احمد مسند عبداللہ بن عمرو: ۶۸۹۵)

جب کوئی بندہ کوئی عبادت کرتا رہے، پھر بیمار ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: اُس بندے کے لیے اس عمل کا ثواب بھی لکھو جو عمل وہ صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا؛ یہاں تک کہ میں اس کو صحت دے دوں، یا اپنے پاس بلالوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَبْتَلِيهِ اللهُ بِبَلَاءٍ فِي جَسَدِهِ، إِلَّا قَالَ اللهُ لِلْمَلَكِ: اكْتُبْ لَهُ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُ، فَإِنْ شَفَاهُ، غَسَلَهُ، وَطَهَّرَهُ، وَإِنْ قَبَضَهُ، غَفَرَ لَهُ، وَرَحِمَهُ. (مسند احمد، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۳۵۰۱)

جب مؤمن بندہ کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرماتے ہیں: ان نیک اعمال کو اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا کرو جن کو وہ (صحت کے زمانے میں) کیا کرتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفا وصحت عطا فرمادیں، تو اس کو گناہوں سے پاک وصاف فرمادیتے ہیں، اگر اس کو اپنے پاس بلالیں، تو اس کو معاف فرمادیتے ہیں اور اس پر رحم فرماتے ہیں۔

بیماری سے پریشان ہوکرنہیں رورہاہوں

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیمار تھے، ہم لوگ عیادت کے لیے حاضر ہوئے، حضرت ابن مسعودؓ رونے لگے، ہم نے آپ کو تسلی دی، تو آپ نے فرمایا: میں بیماری سے پریشان ہوکرنہیں رورہاہوں، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بیماری گناہوں کے لیے کفارے کا ذریعہ ہے، اس لیے بیماری سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ بیماری کمزوری کے زمانے (بڑھاپے کی عمر جس میں طاقت وقوت مفقود ہونے کی وجہ سے انسان عمل نہیں کرسکتا ہے) میں آئی ہے، محنت کرنے کے زمانے میں بیماری آتی، تو بیمار ہونے سے پہلے جو اعمال کرتا تھا، بیماری کے زمانے میں بھی ان اعمال کا اجروثواب لکھا جاتا ہے (اس بات پر رورہاہوں)۔

(مشکوۃ المصابیح، بحوالہ رزین کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض: ۱۵۸۶)

امراض ومصائب میں صبرواحتساب

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحت آدمی کے لیے ہزار نعمت ہے، تمام دینی ومعاشرتی خدمات اہل وعیال کی نگرانی، تجارت وکاروبار؛ بلکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس کے لیے صحت کی ضرورت نہ ہو، اسی لیے ہر شخص یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ صحت مند رہے،؛ لیکن بیماری انسان کے ساتھ لگی رہتی ہے، اس سے کوئی مفر نہیں؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص میں کوئی خیر نہیں جس کو کبھی بیماری آئی نہیں۔

لہٰذا ایمان والوں کو چاہئے کہ جب حالات سازگار ہوں، خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں، مالی وسعت اور تن درستی حاصل، تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں؛ بلکہ اُس وقت بھی اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لیے ہر نعمت پر اس شکر کا کرادا کریں۔

جب کوئی دکھ، مصیبت اور بیماری پیش آجائے، تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں ؛ بلکہ ایمانی صبر وثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں یہ یقین رکھیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو حکیم اور کریم رب ہے اور وہی ہم کو اس دکھ، مصیبت اور بیماری سے نجات بھی دینے والا ہے۔

مومن بندے کا معاملہ بھی عجیب

اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لیے ہیں؛ لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اُن اہل ایمان کا حصہ ہے جو چین وآرام اور مسرت وخوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، کوئی بیماری اور تنگی ان کو پیش آتی ہے، تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ ،شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ.

(مسلم، کتاب الزهد والرقاق، باب المؤمن امره كله خير: ۲۹۹۹)

بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت وآرام پہنچے، تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو دکھ اور رنج پہنچتا ہے، تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم وکریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجبِ برکت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ بِمَالِهِ، أَوْ فِي نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا، وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ.

(مجمع الزوائد، باب في من صبر على العيش الشديد: ۱۷۸۷۲)

جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے، تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ وہ اس کو بخش دیں۔

صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے اور ایسے صابروں کے لیے اس حدیث میں مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

صبر ایوب: علیہ السلام

حضرت مولانا سید شبیر احمد عثمانیؒ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں ہر طرح سے آسودہ رکھا تھا، کھیت، مویشی، لونڈی، غلام، اولادِ صالح اور بیوی مرضی کے موافق عطا کی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکر گزار بندے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مویشی مر گئے اور اولاد اکٹھی دب کر مر گئی، دوست اور آشنا الگ ہو گئے، بطور خاص سالہا سال کسی سخت بیماری میں مبتلا کئے گئے، اس طویل بیماری کے زمانے میں کبھی بھی زبان پر ایک حرفِ شکایت نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں حضرت ایوب کے صبر کی داد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہم نے ایوب کو صبر کرنے والا پایا، وہ بہت ہی بہترین بندہ تھا اور (میری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا، حضرت ایوب علیہ السلام جیسے نعمت میں شاکر تھے، ویسے ہی بلا میں صابر رہے، پھر دعا کی

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ .

(الانبیاء: ۸۳)

رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر اللہ کی نظرِ کرم

اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا، اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تن درست ہوئے، بدن کا سارا روگ جاتا رہا اور جیسا کہ حدیث میں ہے سونے کی ٹڈیاں برسائیں، غرض سب طرح درست کر دیا، ایوب علیہ السلام پر یہ مہربانی ہوئی اور تمام

بندگی کرنے والوں کے لیے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہوگئی کہ جب کسی بندے پر دنیا میں برا وقت آئے، تو ایوب علیہ السلام کی طرح صبر و استقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہیے، حق تعالیٰ اس پر نظرِ عنایت فرمائے گا۔ (مستفاد: از تفسیر عثمانی، سورۃ الانبیاء: ۸۳)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ عِظَمَ الجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ البَلَاءِ، وَإِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ، فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ، فَلَهُ السَّخَطُ.

(رواہ الترمذی، ابواب الزھد: ۲۳۹۶)

بڑا انعام بڑی آزمائش پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں، تو اس کو آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں، جو اس کے فیصلے سے راضی ہوتا ہے، اللہ اُس سے راضی ہوتے ہیں، جو اس کے فیصلے سے ناراض ہوتے ہیں، اللہ اُن سے ناراض ہوتے ہیں۔

علاج ومعالجہ اور دعا بے صبری نہیں

اس دنیا میں تکلیف، دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام، خوشی اور مسرت بھی، تن درستی اور بیماری بھی ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے، اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ جب تکلیف، مصیبت پریشانی اور آزمائشیں آئیں، تو صبر و ہمت سے کام لیں، ظاہری تدابیر اختیار کریں، خدا کی طرف رجوع کریں اور اُن مصائب پر اجر و ثواب کی امید رکھیں، ان شاء اللہ حالات سازگار ہوں گے، اس کی بہترین مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعے میں بیان فرمائی ہے، یہی ہمارے لیے کافی ہے۔

مرض کے ازالے کے لیے ظاہری تدابیر اختیار کرنا، علاج ومعالجہ کرنا، ڈاکٹر، طبیب اور تیاردار کو اپنی بیماری اور تکلیف بتانا اور دعا کی درخواست کرنا، مریض کا شدتِ مرض کی وجہ سے کراہنا، صبر، تقوی اور توکل کے خلاف نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اللہ کے سامنے اپنے کمزوری اور عاجزی اور اپنی عبدیت وحاجت مندی کا اظہار کرنا، پریشانی اور بیماری سے شفا طلب کرنا بے صبری نہیں ہے؛ بلکہ یہ باتیں اللہ کو بہت پسند اور محبوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ ۔ (الانبیاء:۸۳-۸۴)

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ کیجئے جب انہوں نے (شدید مرض میں مبتلا ہونے کے بعد) پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب سے زیادہ مہربان ہیں، (پس اپنی مہربانی سے میری تکلیف اور بیماری کو دور کر دیجئے،) ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے (اپنے فضل سے اور) عبادت گذاروں کی عبرت کے لیے ان کو (دوبارہ) ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اہل، اولاد اور مال و دولت عطا کیا۔

محققین نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مذکورہ دعا توحید و عبدیت، عجز وانکساری پر مشتمل عجیب جامع دعا ہے۔ (التفسیر القیم، الانبیاء:۸۳)

جزع وفزع کرنا بے صبری

بے صبری یہ ہے کہ بیمار جزع وفزع کرے، تقدیر پر ناراضگی کا اظہار کرے اور مخلوق کے سامنے خالق کی شکایت کرے، خدا، رسول اور شریعت کو برا بھلا کہے، اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجائے، مرض کی شدت کی وجہ سے کوئی نامناسب قدم اٹھائے، یہ بے صبری ہے جو ممنوع ہے، مسلمان کی شان نہیں ہے، نیز جزع وفزع سے تکلیفیں، مصیبتیں، پریشانیاں اور بیماریاں دور نہیں ہوں گی، دنیا میں ان پریشانیوں میں مبتلا رہیں گے اور آخرت میں اجر وثواب سے محروم ہوجائیں گے۔

بیمار پرسی کی اہمیت

دینِ متین جس طرح ہم کو خوشیوں میں دوسروں کا ساتھ دے کر ان کی خوشیاں بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے، اسی طرح دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھنے، اس میں شریک ہونے اور اس کے ازالے کی کوشش کرنے کی تلقین کرتا ہے، ایک مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان بھائی کو بیماری و پریشانی میں مبتلا دیکھ کر اس کے اندر رحم کے جذبات ابھریں اور اس کی

مصیبت کا اسے بھی احساس ہو، یقیناً ایک مسلمان کا دوسروں کی تکلیف کا احساس کر کے دل جوئی اور دل داری کی خاطر اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر عیادت کرنے میں اُس فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی اظہار ہوتا ہے کہ جس میں تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

عیادت اور بیمار پرسی سے آپسی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے، ایک دوسرے کے تئیں ہم دردی اور غم خواری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، مریض، اس کے اہل خانہ اور رشتہ داروں کے دلوں میں عیادت کرنے والے کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اتحاد و یگانگت کی ایک اچھی فضا قائم ہوتی ہے، گویا سماجی اور دینی دونوں ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں، اگر بیماری کی خبر ملنے کے باوجود مریض کی عیادت نہ کی جائے اور اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے، تو آپس میں عداوت، کدورت اور نفرت اور کم از کم بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بیمار پرسی مسلمان کا حق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ.

(رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، کتاب الجنائز، اتباع الجنائز: ۱۲۴۰)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کے جواب پر ''یرحمک اللہ'' کہنا۔

اسلام نے بیمار پُرسی اور تیمارداری کو گناہوں کی بخشش اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بتایا ہے، کسی بھی بیمار کی عیادت کو اللہ تعالیٰ کی عیادت کے مترادف بتلایا گیا، اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ ہر بیماری سے پاک ہے، اُسے کوئی بیماری و تکلیف ہرگز ہرگز لاحق نہیں ہوسکتی؛ لیکن عیادت کی فضیلت اجاگر کرنے کے لیے اس طرح کی مثال بیان کی گئی، چناں چہ حدیثِ قدسی میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ، فَلَمْ تَعُدْنِي، قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ أَعُودُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ، فَلَمْ تَعُدْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ، لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ.

(مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل عیادة المرض: ۲۵۶۹)

اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا؛ حالاں کہ تو رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا، تو تو مجھے اس کے پاس پالیتا الخ

مریض دوست ہو، یا دشمن، امیر ہو، یا غریب عیادت کو سنت، اخلاقی فریضہ اور مسلمان کا حق سمجھ کرنا چاہئے، آج عیادت کا دائرہ سمٹ کر رہ گیا ہے، معاشرے میں عیادت ایک رسم بن گئی ہے، لوگ اس وجہ سے عیادت کرتے ہیں کہ اگر میں نے عیادت نہیں کی، تو اس کے گھر والے کیا سمجھیں گے، کوئی مال دار، یا عہدہ دار، یا خاص رشتہ دار ہو، تو اس کی عیادت کی جاتی ہے، اگر کوئی غریب ہے، تو پڑوس میں ہونے کے باوجود ایک مرتبہ بھی مزاج پرسی اور اظہارِ ہمدردی نہیں کی جاتی، اس لیے کہ اس سے ہمارا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے اور نہ آئندہ اس کی کوئی توقع ہے۔ ہائے افسوس!

بیمار پرسی کے فضائل

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسلم ،لم يزل فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ. (رواہ مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل العیادة: ۲۵۶۸)

جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت کے لیے جاتا ہے، تو واپس ہونے تک وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے۔

یعنی عیادت کرنے والا جب سے عیادت کے لیے نکلتا ہے، تو واپس ہونے تک اس

طرح ثواب کو حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے، جس طرح جنتی جنت کے باغات میں پھل توڑنے میں لگا رہتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز: ١٥٢٧)

بیمار پرسی اور ستر ہزار فرشتے

حضرت ابو فاختہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَخَذَ عَلِيٌّ بِيَدِي، قَالَ: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى الْحَسَنِ نَعُودُهُ، فَوَجَدْنَا عِنْدَهُ أَبَا مُوسَى، فَقَالَ عَلِيٌّ: أَعَائِدًا جِئْتَ يَا أَبَا مُوسَى أَمْ زَائِرًا؟ فَقَالَ: لَا بَلْ عَائِدًا. فَقَالَ عَلِيٌّ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ، وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ.

(رواه ابو داؤد، والترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی عیادة المریض: ٩٦٩)

حضرت علیؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: میرے ساتھ حسنؓ کی عیادت کے لیے چلو، (ہم حضرت حسنؓ کے گھر گئے) وہاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ موجود تھے، حضرت علیؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا، ابو موسیٰ! آپ ملاقات کے لیے آئے ہو؟ یا عیادت کی غرض سے آئے ہو؟ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کیا: حضرت حسنؓ کی عیادت کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے، تو شام تک ستر ہزار فرشتے عیادت کرنے والے کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، اگر شام کے وقت عیادت کرے، تو صبح تک ستر ہزار فرشتے عیادت کرنے والے کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ تیار کیا جاتا ہے۔

بیماری پرسی کے لیے چلنا مبارک ہو

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللهِ، نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ، وَطَابَ

مَمْشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا.

(ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی زیارة الاخوان: ۲۰۰۸)

جوشخص کسی مریض کی عیادت کرے، یا کسی دینی بھائی سے ملاقات کرے، تو آسمان سے ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ تم نے اچھا کیا، تمہارا (عیادت وملاقات کے لیے) چلنا مبارک ہے اور تم نے (عیادت کرکے) جنت میں اپنے لیے ٹھکانہ بنالیا۔

علامہ طیبی شارح مشکوۃ المصابیح تحریر فرماتے ہیں:

اس روایت میں عیادت کرنے والے کے لیے تین دعائیں دی گئیں ہیں، یہ جملے خبریہ نہیں؛ بلکہ دعائیہ ہیں، حدیث کا ترجمہ یوں گا: تیرا بھلا ہو (دنیا وآخرت میں)، تو آخرت کے راستے پر (برائیوں سے بچتے ہوئے) بھلائی کے ساتھ چلے اور تیرا ٹھکانہ جنت بنے۔

گویا اس روایت میں عیادت کرنے والے کے لیے دنیا وآخرت کی بھلائی، نیکیوں کی توفیق کی اور حصولِ جنت کی دعائیں دی گئیں ہیں۔ (مرقات: ۱۵۷۵)

بیمار پرسی؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا طرزِ عمل

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری صحابی حاضرِ خدمت ہوئے، سلام کیا، پھر جانے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بھائی سعد بن عبادہ کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: وہ تو موت کے قریب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون عیادت کے لیے چلے گا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، ہم بھی دس ساتھیوں سے زیادہ افراد آپ کے ساتھ ہوگئے، ہمارے پیروں میں نہ چپل تھے، نہ موزے، نہ سروں پر ٹوپیاں تھیں نہ بدنوں پر قمیصیں تھیں، اسی حال میں گیلی زمین پر پیدل حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس گئے، تو ان کے پاس جو لوگ تھے انہوں نے راستہ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء حضرت سعد بن عبادہؓ کے قریب پہنچ گئے (اور عیادت کی)۔

(رواہ مسلم، کتاب الجنائز، باب فی عیادة المرضی: ۹۲۵)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

لَمَّا أُصِيبَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، رَمَاهُ رَجُلٌ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ. (سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب في العيادة مرار: ۳۱۰۱)

جب حضرت سعد بن معاذؓ کو خندق کے موقع پر اکحل میں تیر لگا، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا خیمہ مسجد میں لگایا؛ تاکہ (باربار) قریب سے ان کی تیمارداری کر سکیں (ان کی طبیعت کا خاص خیال رکھا جاسکے)۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَعُودَنِي لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلًا، وَلَا بِرْذَوْنًا. (رواه البخاري، کتاب المرضى، باب عيادة المريض: ٥٦٦٤)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مزاج پرسی کے لیے (پیدل) تشریف لے آئے، آپ نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر۔

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں:

عَادَنِي النَّبِيُّ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِعَيْنِي. (سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب العيادة من الرمد: ۳۱۰۲)

میں آشوبِ چشم کے مرض میں مبتلا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لے آئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

كُنَّا إِذَا فَقَدْنَا الْأَخَ أَتَيْنَاهُ، فَإِنْ كَانَ مَرِيضًا، كَانَتْ عِيَادَةً، وَإِنْ كَانَ مَشْغُولًا كَانَ عَوْنًا، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ، كَانَتْ زِيَارَةً.

(شعب الايمان، عيادة المريض: ۸۷٦۵)

جب ہم اپنے کسی بھائی کو (جو مسجدوں اور مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں، کسی وجہ سے) موجود نہ پاتے، تو ہم ان کے پاس (متفکر ہو کر ان کے احوال دریافت کرنے کے لیے) حاضر ہوجاتے، اگر ان کی طبیعت ناساز ہے، تو ہمارا جانا ان کی عیادت کے لیے ہوجاتا، اگر وہ کسی کام میں مشغول ہیں، تو ہمارا جانا ان کے لیے تعاون کا سبب ہوتا، اگر کسی اور وجہ سے وہ غائب

ہیں، تو ہمارا ان کے پاس جانا ان کی ملاقات کا ذریعہ ہوجاتا۔

بہرحال کوئی ساتھی ہم سے چند دن غائب رہے، تو ہم اس کے احوال کا ضرور تفقد کرتے اور خبر گیری کرتے۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے اندازہ لگایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام عیادت کا کس قدر اہتمام فرتے تھے، جوتے اور چپل کے بغیر ہی پیدل تشریف لے جاتے، خواہ مرض چھوٹا ہو یا بڑا، اپنے صحابہ اور مسلمانوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، ان کی ہم دردی اور دل داری فرماتے، ان کے احوال کی خبر گیری فرماتے۔

بیمار پرسی کا شرعی حکم

اسلام میں عیادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس بنا پر بعض فقہاء نے عیادت کو واجب قرار دیا ہے، امام بخاریؒ کا رجحان بھی یہی ہے، علّامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: عیادت کا حکم اصلاً استحباب ہے، بعض اوقات بعض لوگوں پر واجب ہوتا ہے۔

(فتح الباری، کتاب المرضی، باب وجوب عیادۃ المریض: ۵۶۴۹)

عیادت کا واجب یا مستحب ہونا حالات پر موقوف ہے، اگر مریض کے متعدد تیماردار موجود ہوں، تو مستحب ہے، کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہ ہو، تو واجب ہے، علامہ بغویؒ نے یہی بات کہی ہے۔ (قاموس الفقہ ۴/۴۱۸)

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ مریض کے ساتھ ہم دردی اور غم خواری کرے، اس کے احوال پوچھے اور جہاں تک ہوسکے، اس کا تعاون کرے، اسی کو عربی زبان میں عیادت کہا جاتا ہے۔

عیادت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بیمار کی مزاج پرسی کی جائے، یا تیمارداروں سے اُس کے احوال معلوم کرلیے جائیں، عیادت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مریض کے ساتھ مکمل غم خواری کی جائے، یعنی بیمار کے پاس پیسے کی کمی ہے اور اللہ نے وسعت دی ہے، تو پیسوں کے ذریعے اس کا تعاون کریں؛ تاکہ صحیح علاج کیا جاسکے، اگر خدمت کی ضرورت ہو، تو خدمت کی جائے، ماہر ڈاکٹر کی طرف رہنمائی کی جائے، اپنے علم کے اعتبار سے صحیح اور مفید مشورے دیئے جائیں۔

تیمارداروں (اور مریض کے رشتہ داروں) پر لازم ہے کہ وہ اپنی مالی وسعت اور استطاعت کے موافق مریض کی خدمت، اس کا علاج اور اس کی ضروریات کی تکمیل کریں، شریعت ہمیں

بتاتی ہے کہ مریض بوجھ نہیں؛ بلکہ سببِ رحمت ہے، اس کی خدمت اور تیارداری اجروثواب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے:۲۹)

بیماری پرسی کا طریقہ اور آداب

(۱) جب عیادت کے لیے جائے، تو باوضو جائے۔

(۲) اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت سے عیادت کی جائے، جاہ ومنصب، مال ومنال کی رعایت، یا ترکِ عیادت پر ملامت سے بچنے کی غرض سے عیادت نہ کی جائے ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کرے، اچھا وضو کرے اور اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے (کسی دنیوی غرض سے نہ جائے؛ بلکہ محض رضائے الٰہی اور)، ثواب کی نیت سے جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے ساٹھ سال کی مسافت کے بقدر دور کر دیتے ہیں۔ (ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی فضل العیادۃ علی الوضوء:۳۰۹۷)

(۳) مریض کے سامنے اس کو خوش کرنے والی باتیں کی جائیں، ایسی باتیں نہ کی جائیں جو اس کے دل کو تکلیف پہنچانے والی ہوں، یا اس کے فکرواندیشے میں اضافہ کرنے والی ہوں، مریض کو تسلی دے اور کہے ان شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے، کوئی بڑی بات نہیں ہے، رسول اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کے لیے جاتے، تو مندرجہ ذیل کلمات سے تسلی دیتے تھے۔

لَا بَأْسَ، طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ. (رواه البخاری عن ابن عباس، کتاب المرضی، باب عيادة الاعراب: ۵۶۵۶)

کوئی تکلیف یا گھبراہٹ کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ بیماری گناہوں کی صفائی وستھرائی کا ذریعہ ہے، ان شاء اللہ (بہتر ہی ہوگا)۔

(۴) مریض کو صحت وتن درستی اور زندگی کی امید دلائے، مریض کو ناامید بنانے والی گفتگو سے احتراز کرے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم بیمار کے پاس جاؤ، تو اس سے عمر کی درازی اور لمبی حیاتی کی بات کرو، عمر درازی

کی بات سے اُس کی عمر لمبی اور بیماری دور نہیں ہوگی؛ لیکن بیمار خوش اور مطمئن ہوجائے گا۔
(رواہ الترمذی، ابواب الطب: ٢٠٨٧)

بیمار پرسی کی چند دعائیں

(۵) مریض کے سر یا بدن کے جس حصے پر تکلیف ہو، اس جگہ داہنا ہاتھ پھیرے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار دعائیں منقول ہیں، انھیں پڑھ کر دم کرے، ذیل میں چند دعائیں ذکر کی جاتی ہیں، موقع ومحل کی رعایت سے ان کو پڑھ کر مریض پر دم کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کسی ایسے مریض (کسی بھی قسم کا مرض ہو) کی عیادت کرے جس کی موت کا وقت قریب نہ آیا ہو، تین مرتبہ بسم اللہ پڑھے، پھر سات مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے شفا کی دعا کرے، تو اللہ تعالیٰ اس مریض کو ضرور شفا عطا فرماتے ہیں:

أَسْأَلُ اللهَ العَظِيمَ رَبَّ العَرْشِ العَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ.

(رواہ الترمذی، ابواب الطب: ٢٠٨٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا ہاتھ (بدن کے اُس حصے پر) پھیرتے، (جس جگہ تکلیف اور مرض ہے) پھر مندرجہ ذیل دعا پڑھتے (جو کسی بھی قسم کے مریض کے لیے پڑھی جاسکتی ہے)۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ البَاسَ، اشْفِهِ وأَنْتَ الشَّافِي، لاَ شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا.

(رواہ البخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ٥٧٤٣)

اے اللہ! اے لوگوں کے پروردگار! تکلیف اور مرض کو دور فرما، اس مریض کو شفا نصیب فرما، آپ ہی شفا عطا فرمانے والے ہیں، ایسی شفا نصیب فرما جو کسی بیماری کو باقی نہ چھوڑے، سب کو دور کرے۔

نظرِ بد کے لیے مفید ومجرب دعا

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد! تم بیمار ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میری طبیعت خراب ہے، پھر جبرئیل امین علیہ السلام نے مندرجہ ذیل دعا (جو نظرِ بد اور برے اثرات کے لیے نہایت مفید ومجرب ہے) پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دم کیا۔ (رواہ مسلم، کتاب الآداب، باب الطب والمرض: ٢١٨٦)

بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيكَ، بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ.

اللہ کے نام سے تم پر دم کرتا ہوں، ہر چیز کے شر سے جو تمہیں تکلیف پہنچائے، ہر نفس کے شر اور حاسد کی نظرِ بد سے، اللہ تمہیں شفا عطا فرمائے، اللہ کے نام سے تم پر دم کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنینؓ کو (نظر بد اور انسانی وغیر انسانی اذیتوں سے حفاظت کے لیے)۔

مندرجہ ذیل کلمات سے دم کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے بچے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کو ان کلمات سے دم کیا کرتے تھے۔

أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ، وَيَقُولُ: هَكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يُعَوِّذُ إِسْحَاقَ وَإِسْمَاعِيلَ. (رواہ الترمذی، ابواب الطب، باب ما جاء فی رقیۃ العین: ٢٠٦٠)

میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ (اس کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی نازل کردہ کتب) کے واسطے سے شیطان مردود، ہر قسم کے زہریلے جانور اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ (جو نظرِ بد کا سبب ہوتی ہے) سے تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

(٦) مریض کے پاس زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔

بعض مرتبہ مریض کو آرام یا بعض خاص ضروریات کی تکمیل کا تقاضا ہوتا ہے، بیمار

اور تیاردار مہمان کے واپس ہونے کے انتظار میں رہتے ہیں، زبان سے کہہ نہیں سکتے، جس کی وجہ سے ان لوگوں کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اس لیے مریض اور تیارداروں سے چند تسلی کے کلمات کہہ کر فوراً چلے آنا چاہیے ؛ البتہ اگر مریض خود خواہش مند ہو اور اہل خانہ کو بھی کوئی زحمت نہ ہو، تو دیر تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۷) مریض کے پاس شوروشغب نہ کرے، اس لیے کہ شوروشغب سے مریض کو بھی اذیت ہوتی ہے اور تیارداروں کو بھی برا لگتا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْعِيَادَةُ فُوَاقُ نَاقَةٍ. (شعب الایمان، باب عیاۃ المریض، فصل فی آداب العیادۃ: ۸۷۸۶)

عیادت دودھ دوہنے کے وقت کے بقدر ہونی چاہیے۔

حضرت سعید المسیبؒ سے مرسلاً مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ الْقِيَامِ. (شعب الایمان، باب عیاۃ المریض، فصل فی آداب العیادۃ: ۸۷۸۶)

سب سے جلد واپسی والی عیادت سب سے افضل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيفُ الْجُلُوسِ، وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيضِ. رَوَاهُ رَزِينٌ. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز: ۱۵۸۹)

عیادت میں سنت یہ ہے کہ مریض کے پاس تھوڑا وقت ٹھہرا جائے اور شورشرابہ نہ کیا جائے۔

مریض کو سکون اور خاموشی کا ماحول اچھا لگتا ہے، شوروغل سے تکلیف اور الجھن محسوس ہوتی ہے، اس لیے عیادت کرنے والوں اور تیارداروں کو غیر ضروری بات چیت سے احتراز کرنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ مریض کو اس کے قریب رہنے سے خوشی حاصل ہوتی ہو، راحت ملتی ہو، یا کوئی ایسی شخصیت ہو جس سے حصول برکت کی امید ہو، تو ان لوگوں کے مریض کے پاس

دیر تک رہنا جائز ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ،کتاب الجنائز، باب عیاۃ المریض ۱۵۹۰)

(۸) مریض کسی کھانے پینے کی چیز کی خواہش کرے اور وہ چیز اس کی صحت کے لیے نقصان دہ نہ ہو، تو وہ چیز مریض کے لیے فراہم کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس بیمار سے فرمایا: کیا کھانا چاہتے ہو؟ بیمار نے کہا: گیہوں کی روٹی کھانا چاہتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس گیہوں کی روٹی ہو، وہ اس مریض کے پاس بھیج دے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مریض کسی چیز کی کھانے کی خواہش کرے، تو اس کو وہ چیز کھلا دے۔ (ابن ماجہ، کتاب الطب، باب المریض یشتھی الشیئ: ۳۴۴۰)

(۹) جب عیادت کے لیے جائے، تو مریض سے دعا کی درخواست کرنی چاہئے، اس لیے کہ مریض کی دعا قبول ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں:

جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ، تو اس سے دعا کی درخواست کرو، اس لیے کہ مریض کی دعا (قبولیت میں) ملائکہ کے دعا کی طرح ہوتی ہے۔

(ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المریض: ۱۴۴۱)

(۱۰) عیادت کے لیے مناسب وقت میں جائے، کیوں کہ بعض اوقات مریض اور تیاردار آرام اور ضروریات میں مشغول ہوتے ہیں، اس لیے ان چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔
(فتح الباری، کتاب المرضی، باب وجوب عیادۃ المریض: ۵۶۴۹)

غیر مسلم کی بیمار پرسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں اور عورتوں یہاں تک کہ غیر مسلموں کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے، اس لیے کہ انسانیت کی بنیاد پر وہ بھی ہم دردی کے مستحق ہیں، ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی عیادت کرنا تو اسلامی حق ہے؛ مگر اس سے آگے بڑھ کر انسانیت کی بنیاد پر بلاتفریقِ مذہب وملت غیر مسلم برادرانِ وطن کی مزاج پرسی بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں، اگر اس میں تبلیغِ اسلام کی نیت کر لی جائے، تو پھر نور علی نور۔ اس کے بہتر

اور مفید نتائج سامنے آتے ہیں۔

ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی لڑکے کی خبر گیری اور عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: اسلام قبول کرلو، (اس کا باپ بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا) وہ یہودی لڑکا اپنے باپ کو دیکھنے لگا، باپ نے کہا: بیٹا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لے، بیٹے نے فوراً کلمہ پڑھا اور انتقال کر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ.

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اس بچے کو جہنم سے بچالیا۔

(رواہ البخاری عن انس، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی، فمات: ۱۳۵۶)



مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ، إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا، ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ.

(رواه البخاری عن ابی ہریرة، کتاب الایمان، باب اتباع الجنائز من الایمان: ٤٧)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے جنازے میں ایمان واحتساب کے ساتھ شرکت کرے، جنازے ہی کے ساتھ رہے؛ یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کی تدفین کردی جائے، تو وہ دو قیراط کے ساتھ واپس ہوگا، ایک قیراط ''احد'' پہاڑ کے برابر ہوگا، جو شخص نمازِ جنازہ پڑھ کر تدفین سے پہلے واپس آجائے، وہ ایک قیراط اجر پائے گا۔

جنازے اور تدفین میں شرکت: آداب واحکام

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو حقوق ہیں، ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہونے لگے، تو دوسرا مسلمان اس کے ساتھ ہم درد پڑوسی، مخلص دوست، عقیدت مند مرید، بے لوث شاگرد، قریبی رشتہ دار، فرماں بردار اولاد اور دینی بھائی ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اُس کی وفات کے بعد بھی اس کا اکرام اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھے، اس کو رخصت کرتے ہوئے قبر تک ساتھ جائے، اس کا اور اہل میت کا جو ممکن تعاون ہو سکے؛ کرے اور اس کے لیے استغفار کرے۔

مسلمان کے جنازے اور تدفین میں شرکت بحیثیت مسلمان ایک مستقل حق ہے، پڑوسی، اہل تعلق، رشتہ دار، قریبی رشتہ دار اور نیک وصالح انسان کا جنازہ ہو، تو اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، جنازے میں شرکت سے انسان کی بے بسی، برزخ اور آخرت کے احوال یاد آتے ہیں، میت کا حق ادا ہوتا ہے، شرکائے جنازہ کی کثرت کی وجہ سے میت کی مغفرت کی امید بڑھ جاتی ہے، اہلِ میت کے ساتھ ہم دردی وغم خواری میں شرکت اور تجہیز وتکفین میں ان کی معاونت کا سبب ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں کے جنازوں میں شریک ہوتے تھے، آپ کو اطلاع نہ دینے پر شکایت بھی کیا کرتے تھے، قریبی رشتہ داروں کی قبر میں اتر کر انہیں قبر میں لٹایا بھی کرتے تھے، یا قبر کے کنارے کھڑے ہو کر تدفین میں تعاون اور رہبری فرماتے تھے۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي ضُعَفَاءَ الْمُسْلِمِينَ، وَيَزُورُهُمْ، وَيَعُودُ مَرْضَاهُمْ، وَيَشْهَدُ جَنَائِزَهُمْ.

(المستدرك للحاكم، تفسير سورة ق: ۳۷۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمزور مسلمانوں کے پاس جاتے، ان سے ملاقات فرماتے، جب اُن میں سے کوئی بیمار ہوجاتا، تو اس کی عیادت و بیمار پرسی فرماتے اور ان کے جنازوں میں شرکت فرماتے۔

نمازِ جنازہ کا شرعی حکم

امام عبد الرزاق صنعانیؒ نے اپنی مصنف میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابی بن کعبؓ کی سند سے روایت فرمائی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہت بال والے اور لمبے قد کے انسان تھے، جب وصال کا وقت آیا، تو فرشتے جنت سے کافور اور کفن لے آئے، جب آپ کا وصال ہوگیا، تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا اور تیسری مرتبہ کافور ملا کر پانی جسم پر بہایا اور طاق عدد کپڑوں میں کفن دیا، بغلی قبر کھود کر تدفین کی، نمازِ جنازہ پڑھی اور کہا کہ حضرت آدم کی اولاد کی تجہیز و تکفین کا طریقہ ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الجنائز، باب غسل المیت: ۶۰۸۶، مسند احمد حدیث عتی بن ضمرہ: ۲۱۲۴۰ مستدرک حاکم، کتاب الجنائز: ۱۲۷۵، قال الذھبی: صحیح الاسناد ولم یخرجاہ)

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی نماز جنازہ حضرت آدم علیہ السلام کی ادا کی گئی اور مذکورہ طریقے کو انسانوں کی تجہیز و تکفین کا طریقہ قرار دیا گیا۔

اصح قول کے مطابق امت محمدیہ میں نمازِ جنازہ کو ہجرت کے پہلے سال مشروع کیا گیا۔

(الابواب والتراجم، کتاب الجنائز: ۱۶۱/۳)

مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے، یعنی اگر ایک شخص نے بھی اس مسلم میت کی نمازِ جنازہ پڑھ لی، تو سب کی طرف سے فرض ادا ہوجائے گا اور سب لوگ ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائیں گے، اگر کسی نے بھی میت کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، میت کو بلا نماز جنازہ ہی دفن کر دیا گیا، تو جن لوگوں کو اس مسلم میت کی موت کا علم تھا، وہ سب لوگ نمازِ جنازہ چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

اگر کسی میت کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر ہی دفن کر دیا گیا ہو، تو جب تک میت کے سڑنے اور پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، قبر پر جنازے کی نماز پڑھنا لازم ہے۔

میت کے گلنے سڑنے کی مدت حتمی طور پر متعین نہیں کی جاسکتی، موسم کے گرم و سرد ہونے،

میت کی جسامت اور زمین کی ساخت کے اعتبار سے مختلف علاقوں میں اس کی مدت مختلف ہوسکتی ہے۔

بعض فقہاء نے اس کی تحدید تین دن سے کی ہے، یعنی تین دن بعد میت گلنا اور سڑنا شروع ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر کسی میت کو نمازِ جنازہ کے بغیر دفن کردیا گیا ہو، تو معتدل علاقوں میں دفن کے وقت سے تین دن تک نماز ادا کی جاسکتی ہے، اس مدت کے بعد نہیں پڑھنی چاہیے۔

(الصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع، فيكفر منكرها لأنه أنكر الإجماع، قنية.

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجنائز، باب صلاة الجنائز ۱۰۲/۳)

إن دفن، وأهيل عليه التراب بغير صلاة، أو بها بلا غسل، أو ممن لا ولاية له، صلي على قبره استحسانا (ما لم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح. وظاهره أنه لو شك في تفسخه، صلي عليه، (الدر المختار) قوله هو الأصح لأنه يختلف باختلاف الأوقات حرا وبردا، والميت سمنا وهزالا، والأمكنة بحر، وقيل: يقدر بثلاثة أيام، وقيل: عشرة، وقيل: شهر ط عن الحموي.

(رد المحتار، كتاب الجنائز ۱۲۵/۳)

نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کا اجر وثواب

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ، إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا، ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ. (رواہ البخاری، کتاب الایمان، باب اتباع الجنائز من الایمان: ۴۷)

جو شخص کسی مسلمان کے جنازے میں ایمان واحتساب کے ساتھ شرکت کرے، جنازے ہی کے ساتھ رہے؛ یہاں تک کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور اس کی تدفین کردی جائے، تو وہ دو قیراط کے ساتھ واپس ہوگا، ایک قیراط ''احد'' پہاڑ کے برابر ہوگا، جو شخص

نمازِ جنازہ پڑھ کر تدفین سے پہلے واپس آجائے، وہ ایک قیراط اجر پائے گا۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اُس عمل پر جس اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، اُس پر ایمان ویقین ہو، احتساب کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کی نیت ہو، ریاکاری، شہرت، یا مطلب پرستی، یا میت کے اعزہ واقرباء کی شکایت وغیرہ کے خوف سے شرکت نہ کرے؛ بلکہ صرف حصولِ ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے شریک ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ تَبِعَهَا حَتَّى يُقْضَى دَفْنُهَا، فَلَهُ قِيرَاطَانِ، أَحَدُهُمَا أَوْ أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِابْنِ عُمَرَ، فَأَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَتْ: صَدَقَ أَبُو هُرَيْرَةَ. فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَقَدْ فَرَّطْنَا فِي قَرَارِيطَ كَثِيرَةٍ.

(رواہ الترمذی، باب ماجاء فی فضل الصلوۃ علی الجنازۃ: ۱۰۴۰)

جو شخص کسی کا جنازہ پڑھے، اس کے لیے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو شخص جنازے کے ساتھ چلے؛ یہاں تک کہ اس کی تدفین ہوجائے، تو اس کے لیے مزید ایک قیراط ملے گا، ایک قیراط یا چھوٹا قیراط "احد" پہاڑ کے برابر ہوگا، حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں: میں نے یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بیان کی، تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور اس حدیث کی تصدیق چاہی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ہاں حضرت ابوہریرہؓ نے حدیث صحیح بیان کی ہے، تب حضرت ابن عمرؓ نے (افسوس فرماتے ہوئے) فرمایا: ہم نے بے شمار قیراط (جنازوں میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے) ضائع کردئے (کہ عمل نہایت مختصر اور بے پناہ اجر وثواب ہے)۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:

نفل اعمال میں سب سے افضل عمل مسلمان کے جنازے اور تدفین میں شرکت ہے۔

(فتح الباری، اتباع الجنائز بحوالہ سنن ابی سعید: اتباع الجنائز)

نمازِ جنازہ میں نمازیوں کی کثرت میت کی مغفرت کا سبب

جنازے میں شرکت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب کسی میت کی نمازِ جنازہ میں

مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت شرکت کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس میت کی مغفرت فرمادیتے ہیں، مجمع کی کثرت سے مغفرت کی امید پیدا ہوتی ہے، اگر ہماری شرکت سے نماز جنازہ پڑھنے والوں میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے میت کی مغفرت کی امید میں اضافہ ہوتا ہے، تو شرکت ضرور کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ کے آزادہ کردہ غلام کریبؒ فرماتے ہیں:

''مکہ مکرمہ'' کے قریب مقام ''قدید'' یا ''عسفان'' میں آپ کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا، جنازہ تیار کیا گیا، پھر آپؓ نے مجھ سے فرمایا: کریب! دیکھو لوگ نمازِ جنازہ کے لیے جمع ہوگئے ہیں؟ میں باہر نکلا اور بتایا کہ لوگ نمازِ جنازہ کے لیے تیار ہیں، پھر ابن عباسؓ نے پوچھا: کیا چالیس افراد جمع ہوئے ہوں گے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، پھر فرمایا: جنازہ باہر لے چلو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ، فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا، لَا يُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيهِ.

(رواہ مسلم، باب من صلی علیہ اربعون الخ: ۹۴۸)

چالیس ایسے مسلمان جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے (یعنی مسلمان) جس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی (میت کے لیے مغفرت کی) شفارش کو ضرور قبول فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً، كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ، إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ. (رواہ مسلم، باب من صلی علیہ مأۃ الخ: ۹۴۷)

جس میت کی نمازِ جنازہ مسلمانوں کی ایک جماعت ادا کرتی ہے جس کی تعداد سو (۱۰۰) ہو، سب میت کے لیے (مغفرت وبخشش کی) سفارش کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ (میت کے حق میں) ان کی سفارش ضرور قبول فرماتے ہیں (اور میت کی مغفرت وبخشش فرمادیتے ہیں)۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی نمازِ جنازہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس کے بقدر ہو جائے تو اس کی مغفرت کی امید پیدا ہو جاتی ہے اور جب نماز پڑھنے

والوں کی تعداد سو کے قریب ہو، تو یہ امید مزید بڑھ جاتی ہے۔

نمازِ جنازہ میں طاق صفیں بنانا بہتر

حضرت مرثد بن عبداللہ یزنیؒ فرماتے ہیں:

حضرت مالک بن ہبیرہؓ جب کسی جنازے کی نماز پڑھاتے اور مصلیوں کی تعداد کم محسوس فرماتے، تو مصلیوں کو تین صفوں میں تقسیم فرما دیتے، پھر فرماتے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ فَقَدْ أَوْجَبَ.

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب کیف الصلاۃ علی المیت والشفاعۃ لہ: ۱۰۲۸)

جس میت کی نمازِ جنازہ تین صفیں پڑھیں، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کی نمازِ جنازہ بڑی جماعت پڑھے، اس کی مغفرت ہوجائے گی اور بڑی جماعت سے مراد مصلی الجنائز کی تین صفیں ہیں، جن کی تعداد تقریباً (چالیس تا) سو آدمی ہوتے تھے۔۔ مالک بن ہبیرہؓ لوگوں کی کمی کی صورت میں حیلہ کرتے تھے اور لوگوں کو تین صفوں میں کھڑا کرتے تھے؛ کیوں کہ رحمتِ حق بہانہ می جوید، بہا نمی جوید۔۔۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ نصوص کی تاویلِ بعید غیر معتبر ہے؛ البتہ اگر وہ تاویل بعید کسی فقیہ صحابی سے مروی ہو، تو وہ معتبر ہے، مالک بن ہبیرہؓ صحابی ہیں، پس یہ تاویل معتبر ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۳/ ۴۳۴)

فائدہ: بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نمازِ جنازہ میں صفیں طاق ہونی چاہئیں اور اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں؛ حالاں کہ تین صفوں کے بعد طاق اور جفت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ لفظ ثلاثۃ کا یہ مطلب سمجھنا کہ جنازے میں صفیں طاق ہوں، یہ بات صحیح نہیں، صفوں کی جو بھی تعداد ہو، نماز درست ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۳/ ۴۳۴)

حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ اس عبارت کے حاشیے میں تحریر فرماتے ہیں: تعلیم الاسلام

۴؍۶۲ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''اگر آدمی زیادہ ہوں، تو تین یا پانچ، یا سات صفیں بنانا بہتر ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے: ان اللہ وتر، اللہ تعالیٰ یگانہ ہیں، وہ طاق کو پسند کرتے ہیں'' یہ ایک عادمِ ادب ہے، جنازے کی صفوف میں بھی اس کا لحاظ رہنا چاہئے؛ مگر اس کا واجب کی طرح اہتمام درست نہیں۔ (حاشیہ تحفہ الالمعی ۳؍۴۴۴)

جنازے کے آگے چلنا چاہئے یا پیچھے؟

جنازے کے آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف چلنا بالاتفاق جائز ہے؛ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک جنازے کے آگے چلنا افضل ہے اور احناف کے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے۔

جو حضرات جنازے کے سامنے چلنے کو افضل کہتے ہیں، ان کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ. (رواہ الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی المشی امام الجنازۃ: ۱۰۰۷)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کو جنازے کے سامنے سامنے چلتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

جنازے کے ساتھ چلنے والے سفارشی ہوتے ہیں، سفارش کرنے والا عموماً آگے چلتا ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْجَنَازَةُ مَتْبُوعَةٌ وَلَا تَتْبَعُ، وَلَيْسَ مِنْهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا.

(رواہ الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی المشی خلف الجنازۃ: ۱۰۱۱)

جنازے کے پیچھے چلا جاتا ہے، جنازہ کسی کے پیچھے نہیں چلتا، وہ شخص جنازے کے ساتھ گویا شامل نہیں ہے جو اس کے آگے چلے۔

احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ چلنے والے جنازے کو رخصت کرنے والے ہیں، رخصت کرنے والے جنازے کے پیچھے چلتے ہیں، نیز جنازے کے پیچھے چلنے میں عبرت پذیری اور امورِ آخرت کے سلسلے میں غور فکر زیادہ ہوتا ہے، جنازے سے متعلق کوئی ضرورت پیش آئے، تو مدد کی جاسکتی ہے، لہٰذا ان تمام وجوہات کی بنا پر جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ (مستفاد: از لمعات التنقیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ: ۱۶۶۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین جنازے کے آگے کیوں چلتے تھے؟

حضرت عبدالرحمن بن ابزیؒ کہتے ہیں:

میں ایک جنازے میں شریک تھا، حضرات شیخین جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے، حضرت علیؓ پیچھے چل رہے تھے، میں نے عرض کیا: آپ جنازے کے پیچھے چل رہے ہیں؟ حضراتِ شیخین جنازے کے آگے چل رہے ہیں؟ حضرت علیؓ فرمایا: وہ دونوں حضرات جانتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے، جیسے انفرادی نماز سے جماعت کی نماز افضل ہے؛ لیکن وہ دونوں حضرات لوگوں کی سہولت کی غرض سے جنازے کے آگے چل رہیں۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الجنائز فی المشی امام الجنازۃ: ۱۱۲۳۹، وروی الطحاوی عن عمرو بن حریث عن علی، کتاب الجنائز، باب المشی فی الجنازۃ: ۲۷۶۱)

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ حضرات شیخین کا جنازے کے آگے چلنا مصلحت کی بنا پر تھا؛ کیوں کہ یہ حضرات مقتدیٰ اور امیر المؤمنین تھے، اگر مجمع کے ساتھ جنازے کے پیچھے چلیں گے، تو عوام کو تکلف ہوگا، اگر جنازے کے آگے چلیں گے، تو عوام بلا تکلف چلیں گے۔

جنازے کے ساتھ سواری پر جانا

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ سواری پر ہیں، آپ نے فرمایا:

أَلَا تَسْتَحْيُونَ! إِنَّ مَلَائِكَةَ اللهِ عَلَى أَقْدَامِهِمْ ،وَأَنْتُمْ عَلَى ظُهُورِ الدَّوَابِّ. (ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی کراھیۃ الرکوب: ۱۰۱۲)

کیا تمہیں شرم نہیں آتی ؟ اللہ کے فرشتے پیدل چل رہے ہیں اور تم جانوروں کی پیٹھ پر سوار ہو؟۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے کہ آپ کے لیے سواری پیش کی گئی ،آپ نے سوار ہونے سے انکار کر دیا، جب واپس ہونے لگے،تو پھر سواری پیش کی گئی ،تو آپ سوار ہو گئے،آپ سے پوچھا گیا(کہ جاتے ہوئے سواری کو قبول نہیں فرمایا، واپسی میں قبول فرمالیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنازے کے ساتھ ملائکہ بھی پیدل چل رہے تھے، اس وجہ سے میں سوار نہیں ہوا (تدفین سے فراغت کے بعد) ملائکہ چلے گئے،تو میں سوار ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز ،باب الرکوب فی الجنائز: ۳۱۷۷)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الرَّاكِبُ خَلْفَ الجَنَازَةِ.

سوار شخص جنازے کے پیچھے چلے گا۔ (ترمذی، کتاب الجنائز ،باب ماجاء فی الصلاۃ علی الاطفال:۱۰۳۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جنازے کے پیچھے سواری پر جانے کی عام اجازت ہے۔

علمائے کرام نے مذکورہ روایات کو پیش نظر رکھ کر فرمایا کہ جنازے کے ساتھ قبرستان جاتے ہوئے بلا عذر سواری پر جانا مکروہ ہے، اچھی بات نہیں ہے، اگر جنازہ سواری پر رکھا ہوا ہو، یا قبرستان بہت دور ہو، یا جنازے میں شریک افراد پیدل چلنے سے معذور ہوں،تو سواری پر جنازے کے پیچھے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (درس ترمذی ۲۹۸/۳)

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم

ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، جب جنازہ زمین پر رکھ دیا جاتا، یا آگے بڑھ جاتا،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ جاتے تھے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی بدل گیا، یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ، ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَأَمَرَنَا بِالْجُلُوسِ. (مسند احمد:۶۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا کرتے تھے، پھر آپ بیٹھ گئے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔

یعنی جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہوگیا۔

امام احمد بن حنبل، علامہ نووی اور ابن عقیل حنبلی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم عبرت اور انسانی احترام کی غرض سے تھا، علت باقی ہے، لہٰذا حکم بھی استحبابی طور پر باقی رہے گا، ادنی درجے میں مباح ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

مُرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ فَقَامَ، وَقَالَ: قُومُوا، فَإِنَّ لِلْمَوْتِ فَزَعًا.

(رواہ ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی القیام للجنازۃ:۱۵۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گذرا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوگئے اور فرمایا: موت خوف اور گھبراہٹ کی چیز ہے (لہٰذا عبرت حاصل کرنی چاہئے اور اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے)۔

ایک یہودی کا جنازہ گذرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے، آپ سے کہا گیا: یہ یہودی کا جنازہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ انسان کا جنازہ نہیں ہے؟

(بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ یہودی:۱۳۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو سعید خدریؓ کا عمل جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا تھا۔ (بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ یہودی:۱۳۰۹)

علامہ عینیؒ نے بعض حضرات صحابہ وتابعین کا یہی عمل نقل کیا۔

(عمدۃ القاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ یہودی:۱۳۰۷۱)

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی وجہ عبرت پذیری اور انسانی جان کا احترام ہے، یہ وجہ باقی ہے، لہٰذا جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا مستحب، یا مباح ہوگا، بیٹھے رہنا لازم نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ کا مسلک اقرب الی الحدیث ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حکمت انسانی احترام بیان فرمایا ہے، ظاہر ہے کہ یہ علت باقی ہے، پھر اس علت کے باقی رہنے کے باوجود نسخ کا حکم سمجھ میں نہیں آتا۔ (قاموس الفقہ ۳/ ۱۴۳)

اتباعِ جنائز کے آداب

(۱) میت کے محاسن وخوبیوں کو بیان کرے، برائیوں کا ہرگز تذکرہ نہ کرے۔

(۲) جنازے کے پیچھے چلے۔

(۳) جب جنازے کے ساتھ چلے، تو جنازے کو اٹھانے کے لیے کندھا دے۔

(۴) جنازے کے ساتھ پیدل چلے، بلا عذر سوار ہو کر نہ جائے۔

(۵) جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے، یا قبرستان میں ہنسی مذاق نہ کرے، نہ ہی دنیوی گفتگو کرے۔

(۶) جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے امورِ آخرت میں غور وفکر کرتا رہے۔

(۷) میت کو قبر میں اتارنے سے پہلے نہ بیٹھے۔

(۸) بغلی قبر بنائی جائے۔

(۹) قبلے والی دیوار کی طرف سے میت کو قبر میں اتارا جائے۔

(۱۰) میت کو داہنی کروٹ قبلہ رخ لٹایا جائے۔

(۱۱) تین چلو مٹی قبر میں ڈالے۔

(۱۲) تدفین کے بعد قبر کو ایک بالشت کے بقدر کوہان کی شکل میں اونچی کی جائے؛ تاکہ قبر کو پہچانا جاسکے اور اس کی توہین اور بے ادبی سے بچا جاسکے۔

(۱۳) سرہانے کوئی پتھر بھی بطورِ علامت نصب کیا جائے۔

(۱۴) تدفین کے بعد قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے۔

(۱۵) تمام امور سے فارغ ہو کر میت کے سر کی طرف کھڑے ہو کر سورۂ فاتحہ اور پیروں کے جانب سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کی جائے۔

(۱۶) میت کے لیے دعاواستغفار کرے۔

میت کے محاسن وخوبیوں کو بیان کرنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ، وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِئِهِمْ.

(ترمذی، کتاب الجنائز: ۱۰۱۹)

جس شخص کا انتقال ہوجائے، اس کی خوبیاں بیان کرو، اس کی برائیوں کو بیان کرنے سے باز رہو۔

اس لیے کہ اگر وہ شخص بدکار تھا، تو اُس نے اپنی برائی کا بدلہ پالیا، اب اس کی برائی بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ خواہ مخواہ مردے کی غیبت ہوگی؛ البتہ گمراہ قسم کے افراد کی گمراہیاں اوران کے غلط افکارونظریات کو بیان کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ اگر بیان نہ کیا جائے، تولوگ ان کی گمراہیوں سے محفوظ نہیں ہوسکتے؛ البتہ ان کی ذاتی زندگی میں کوئی خرابی ہو، تو اس کو چھیڑا نہیں جائے گا۔

جنازے کو کندھا دینا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً، وَحَمَلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا. (ترمذی، کتاب الجنائز: ۱۰۴۱)

جو شخص جنازے کے ساتھ چلے اور تین مرتبہ جنازے کو اٹھائے، تو اس نے جنازے کے حق کو ادا کردیا۔

یعنی اتباعِ جنازہ سے متعلق جو حق تھا، اس کو ادا کردیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

جو شخص جنازے کے ساتھ چلے، اس کو چاہئے کہ جنازے کے چاروں طرف کندھا دے، اس لیے کہ یہ عمل سنت ہے۔ (ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی شہود الجنازۃ: ۱۴۷۸)

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں:

اتباعِ جنائز کا مکمل اجروثواب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی میت کے گھر سے جنازے کے ساتھ چلے، چاروں طرف سے جنازہ اٹھائے اور قبر میں مٹی ڈالے۔

(مصنف ابی ابی شیبہ، کتاب الجنائز، فی مایجزی من حمل الجنازۃ: ۱۱۲۸۳)

میت کو قبر میں اتارنے سے پہلے نہ بیٹھے

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الجَنَازَةَ، فَقُومُوا، فَمَنْ تَبِعَهَا، فَلاَ يَقْعُدْ حَتَّى تُوضَعَ.

(بخاری، کتاب الجنائز، من تبع جنازۃ: ۱۳۱۰)

جب تم جنازے کو دیکھو، تو کھڑے ہوجاؤ، جو جنازے کے ساتھ جائے، وہ جنازے کو زمین پر رکھنے سے پہلے نہ بیٹھے۔

جب جنازہ نماز پڑھنے کی جگہ، یا قبرستان پہنچ جائے، جب تک جنازہ نیچے نہ رکھ دیا جائے، تب تک لوگوں کو نہیں بیٹھنا چاہئے؛ کیوں کہ بعض مرتبہ جنازہ اتارنے میں اچانک مدد کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اگر لوگ جنازے میں زیادہ ہوں، تو جو لوگ جنازے کے قریب ہیں، ان کو نہیں بیٹھنا چاہئے، دیگر لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی ۳/ ۴۵۳)

بغلی قبر بنانا مستحب

بغلی قبر: قبر کے اندرونی حصے میں قبلے والی دیوار کھرید کر اس میں ایک طاق بناتے ہیں ،پھر اُس طاق میں میت کو لٹا کر پیچھے سے کچی اینٹیں، یا لکڑی وغیر رکھ کر اس کو برابر کردیا جاتا ہے۔

شقی یا صندوق نما قبر: قبر کے گڑھے کا تھوڑا حصہ کھودنے کے بعد قبر ہی میں مزید ایک چھوٹا گڑھا کھود کر میت کو اس میں لٹا دیتے ہیں، پھر اوپر تختے وغیر رکھ دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللَّحْدُ لَنَا، وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا.

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۰۴۵)

لحد (بغلی قبر) ہمارے لیے ہے اور شقی قبر (صندوق نما) دوسرں کے لیے ہے۔

علمائے کرام نے اس روایت کے کئی مطلب بیان کئے ہیں:

بغلی قبر ہمارے لیے ہے، شقی قبر ہمارے غیر یعنی یہود ونصاریٰ وغیرہ کے لیے ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ بغلی قبر اِس امت کے لیے ہے، شقی قبر امم سابقہ کے لیے ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کے لیے ہے، وہاں کی زمین کے اعتبار سے بغلی قبر مناسب ہے، غیر اہلِ مدینہ کے لیے شقی قبر، تینوں مطلب کے لحاظ سے شقی قبر کا جائز ہونا اور بغلی قبر کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

علامہ طیبیؒ شارح ''مشکوۃ المصابیح'' فرماتے ہیں:

بغلی قبر میرے لیے ہے، میرے لیے شقی قبر نہیں بنائی جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے بطور پیشین گوئی یہ بات ارشاد فرمائی ہے، امت کو آپ کی وفات کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی۔ (لمعات التنقیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱۷۰۱)

حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث میں مسئلے کا بیان نہیں؛ بلکہ یہ ایک پیشین گوئی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوسروں کی قبر چاہے بغلی بناؤ، چاہے صندوقچی؛ مگر میری قبر بغلی بنانا، پس اس حدیث سے لحد کی فضیلت ثابت ہوئی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب اختلاف ہوا کہ آپ کی قبر اطہر بغلی بنائی جائے، یا صندوقچی؟ فیصلہ اس طرح کیا گیا کہ مدینے میں دو صحابی تھے جو قبر کھودتے تھے، ایک (ابو طلحہؓ) لحد بناتے تھے، دوسرے (ابو عبیدہؓ) شقی قبر، دونوں کے پاس آدمی بھیجے گئے اور طے کیا گیا کہ جو پہلے آئے، وہ اپنا کام کرے، جو صحابی شقی بناتے تھے، وہ گھر پر نہیں تھے، جو لحد بناتے تھے وہ آئے اور انہوں نے اپنا کام کیا، اس طرح تکوینی طور پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

(موطا امام مالکؒ، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۷۹۱، تحفۃ الالمعی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳/۴۵۶)

لحد کی فضیلت

لحد کی فضیلت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ بغلی قبر میں میت کا زیادہ اکرام ہے؛ کیوں کہ بے ضرورت میت کے چہرے

پرمٹی ڈالنا بے ادبی ہے۔

دوسری وجہ بغلی قبر میں میت مردار خور جانوروں سے محفوظ رہتی ہے، جانور نرم مٹی کھود تا ہے اور میت ایک طرف رہ جاتی ہے، اس کے ہاتھ نہیں آتی۔

(تحفۃ الالمعی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳/ ۵۶۴)

قبلے والی دیوار کی طرف سے میت کو قبر میں اتارنا

قبلے والی دیوار کی طرف سے میت کو قبر میں اتارے، یہی افضل طریقہ ہے، اگر مشکل ہو، تو پیر کی طرف سے اتارا جائے، اگر یہ بھی مشکل ہو، تو کسی بھی طرف سے حسبِ سہولت میت کو قبر میں اتارا جاسکتا ہے۔

احناف کے نزیک قبلے والی دیوار کی طرف سے میت کو قبر میں داخل کرنا افضل ہے، اس طور پر کہ جنازہ قبلے والی دیوار پر رکھیں، پھر قبر میں داخل کریں، اس لیے کہ قبلے والی جہت افضل ہے، لہٰذا اسی طرف سے میت کو قبر میں اتارنا افضل ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

ایک شخص کا انتقال ہوگیا، رات میں ان کی تدفین کی گئی، میت کو قبر میں اتارنے کے لیے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اترے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چراغ روشن کیا گیا (؛تا کہ میت کو قبر میں اتارنے اور تدفین میں آسانی ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو قبلے کی طرف سے قبر میں لیا اور فرمایا: اللہ تم پر مہربانی فرمائے، تم اللہ کے خوف سے بہت زیادہ رونے والے اور بہت زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے الخ۔

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الدفن باللیل: ۱۰۵۷)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

میت کو قبر میں پیر کی جانب سے داخل کیا جائے گا، یعنی جنازے کو پیر کی طرف والی دیوار پر رکھیں گے، پھر وہاں سے کھینچ کر قبر میں لیں گے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقے سے قبر اطہر میں اتارا گیا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح بحوالہ مسند شافعی، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱۷۰۵)

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں

جانبِ قبلہ جگہ نہیں تھی، اس مجبوری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیر والی دیوار کی طرف سے قبر اطہر میں اتارا گیا۔ (لمعات التنقیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱۷۰۵، تحفۃ الالمعی، کتاب الجنائز ۳/۱۷۴)

میت کو قبر میں اتارنے کی دعا

میت کو قبر میں اتارنے کے وقت مندرجہ ذیل دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ، وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ.

یا بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

اللہ کے نام، اس کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریعت کے موافق اس میت کو قبر میں اتار رہے ہیں۔

اللہ کے نام، اس کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق اس میت کو قبر میں اتار رہے ہیں۔ (ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء مایقول اذا ادخل المیت القبر: ۱۰۴۶)

میت کو داہنی کروٹ قبلہ رخ لٹایا جائے

میت کو قبر میں لٹانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر میں پورے طور پر داہنی کروٹ لٹا کر چہرہ قبلے کی طرف کیا جائے اور میت کی پشت کی جانب مٹی یا ڈھیلے سے تکیہ لگا دیا جائے؛ تاکہ میت داہنی کروٹ پر قائم رہے،، چت لٹا کر صرف چہرہ قبلے کی جانب کر دینے پر اکتفا نہ کیا جائے؛ کیوں کہ صرف چہرہ قبلے کی طرف کرنا اور دائیں کروٹ نہ لٹانا خلافِ سنت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَا الْکَبَائِرُ؟ فَقَالَ: هُنَّ تِسْعٌ. فَذَکَرَ مَعْنَاہُ. زَادَ: وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ الْمُسْلِمَیْنِ، وَاسْتِحْلَالُ الْبَیْتِ الْحَرَامِ قِبْلَتِکُمْ أَحْیَاءً وَأَمْوَاتًا.

(سنن ابو داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی التشدید فی مال الیتیم: ۸۵۷۵)

بیت الحرام (کعبۃ اللہ) تم لوگوں کا قبلہ ہے زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی۔ لہٰذا میت کو بھی قبر میں قبلہ رخ لٹانا چاہیے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

یوجه إلیها (القبلة) وجوبًا وینبغي کونه علی شقه الأیمن (الدر المختار) ووجهه أن ظاهر التسویة بین الحیاة والمماة في وجوب القبلة، لکن صرح في التحفة بأنه سنة.

(ردالمحتار، کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت ۱۴۱/۳)

تین مٹھی مٹی قبر میں ڈالنا

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے کی نماز پڑھائی، پھر قبر پر تشریف لے آئے، پھر سر کی طرف سے تین مٹھی مٹی قبر میں ڈالی۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی حثو التراب علی المیت: ۱۵۶۵)

جعفر بن محمدؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ بھر کر مٹی قبر میں ڈالتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحب زادے حضرت ابراہیمؓ کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور قبر پر بطورِ علامت ایک پتھر رکھا۔

(مشکوۃ المصابیح بحوالہ شرح السنہ، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱۷۰۸)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

مسند احمد کی ایک روایت میں مذکور ہے۔ (رواہ احمد عن ابی امامہؓ: ۲۲۱۸۷)

کہ جب پہلی مٹھی مٹی ڈالے، تو کہے:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ.

جب دوسری مٹھی ڈالے، تو کہے:

وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ.

جب تیسری مٹھی ڈالے، تو کہے:

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱۷۰۸)

قبر کو کوہان نما بنانا اور پتھر نصب کرنا

تدفین کے بعد قبر ایک بالشت کے بقدر کوہان کی شکل میں اونچی کی جائے؛ تاکہ قبر کو پہچانا جاسکے اور اس کی توہین اور بے ادبی سے بچا جاسکے، سرہانے کوئی پتھر بھی بطورِ علامت نصب

کیا جاسکتا ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر بغلی بنائی گئی ، اینٹیں کھڑی رکھی گئیں اور آخر میں قبر مبارک کو ایک بالشت بلند کیا گیا۔ (صحیح ابن حبان، باب وفاتہ، ذکر وصف قبر المصطفی: ۵: ۶۶۳۴، سنن کبری للبیہقی، کتاب الجنائز، باب لایزاد فی القبر علی اکثر من ترابہ: ۶۷۳۶)

حضرت سفیان تمارؒ فرماتے ہیں:

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کو کوہان نما دیکھا۔

(بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

مصنف ابن شیبہ کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر اور حضرات شیخین کی قبروں کو کوہان نما دیکھا ہے۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الجنائز، ما قالوا فی القبر مسنما: ۱۱۷۳۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی جب تدفین مکمل ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک پتھر لے آئے، وہ شخص وہ پتھر اٹھا نہ سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کھڑے ہوئے، آستینیں چڑھائیں، روای کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیوں کی چمک کا منظر ابھی بھی میری آنکھوں میں موجود ہے، جب آپ نے آستینیں چڑھائیں، پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اس پتھر کو اٹھا کر لے آئے، پھر حضرت عثمان بن مظعونؓ کے سرہانے رکھ دیا، پھر آپ نے فرمایا: میں سرہانے پتھر اس لیے رکھ رہا ہوں؛ تاکہ میرے بھائی کی قبر پہچانی جاسکے اور میں اپنے خاندان والوں کو اِن کے قریب دفن کرسکوں۔ (السنن الکبری للبیہقی، کتاب الجنائز، باب اعلام القبر بصخرۃ: ۶۷۴۴)

تدفین کے بعد قبر پر پانی کا چھڑکاؤ

حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کو پیروں کی طرف سے قبر میں داخل کیا، پھر قبر پر پانی کا چھڑکاؤ فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی ادخال المیت القبر: ۱۵۵۱)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حضرت بلالؓ نے سر کی طرف سے پیروں تک پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الجنائز، باب رش الماء علی القبر : ۶۷۴۳)

تدفین سے فراغت کے بعد سورۂ فاتحہ اور خاتمہ البقرہ

تمام امور سے فارغ ہوکر میت کے سر کی جانب کھڑے ہوکر سورۂ فاتحہ اور پیروں کے جانب کھڑے ہوکر سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب کسی کا انتقال ہوجائے، تو اسے (گھر میں) روکے نہ رکھو، جلد قبر کے سپرد کردو، (تدفین کے بعد) سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (الم تا مفلحون) اور پیروں کے پاس سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے آخر تک) پڑھے۔ (شعب الایمان، کتاب الجنائز، الصلوۃ علی من مات من اہل القبلۃ: ۸۸۵۴)

نمازِ جنازہ کے بعد دعا

قرآن کریم، احادیث شریفہ اور کتبِ فقہ میں کہیں بھی نمازِ جنازہ کے بعد دعا کا ذکر یا حکم یا ترغیب نہیں ہے؛ حالاں کہ کتبِ فقہ میں چھوٹے چھوٹے مستحبات کو بھی ذکر کیا جاتا ہے، بعض کتبِ میں نمازِ جنازہ کے بعد دعا سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ نمازِ جنازہ خود دعا ہے۔

(فتاوی محمودیہ ۹/۷۰۸، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/۳۵۱)

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

لایدعو للمیت بعد صلاة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتیح، باب المشی بالجنازة: ۱۶۸۷)

نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کی جائے، اس لیے کہ یہ عمل نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

تدفین سے فراغت پر میت کے لیے دعا و استغفار

جب تدفین سے فراغت ہوجائے، تو واپس ہوتے ہوئے میت کے لیے مغفرت، قبر کی وسعت، قبر کی نورانیت، منکر نکیر کے سوالات پر ثابت قدمی کی دعا کی جائے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں:

إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ، وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ.

(ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت: ۳۲۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تدفین سے فارغ ہوجاتے، تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت وبخشش کی دعا کرو، منکر نکیر کے سوال کے وقت اُس کی ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

حضرت انسؓ جب قبر کی مٹی کو برابر کردیتے، تو قبر پر کھڑے ہوکر دعا فرماتے:

اللَّهُمَّ عَبْدُكَ، رُدَّ إِلَيْكَ، فَارْأَفْ بِهِ، وَارْحَمْهُ، اللَّهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَافْتَحْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ لِرُوحِهِ، وَتَقَبَّلْهُ مِنْكَ بِقَبُولٍ حَسَنٍ، اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا، فَضَاعِفْ لَهُ فِي إِحْسَانِهِ، أَوْ قَالَ: فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا، فَتَجَاوَزْ عَنْهُ.

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الجنائز، الدعاء للمیت بعد الدفن: ۱۱۷۰۶)

اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، تیرے سپرد کیا گیا ہے، اس کے ساتھ نرمی، مہربانی اور رحم کا معاملہ فرما، اے اللہ! اس کے لیے زمین (قبر) کو کشادہ فرما، اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دے، اس بندے کو قبول فرما، اے اللہ! اگر یہ بندہ نیک ہے، تو اس پر احسان وکرم کرنے میں مزید اضافہ فرما، اگر برا انسان ہے، تو اس کے گناہوں سے صرفِ نظر فرما۔

تدفین کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، دعا ہاتھ اٹھائے بغیر بھی کی جاسکتی ہے، ہاتھ نہ اٹھانا ہی بہتر ہے، جہاں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو، وہاں ہاتھ اٹھاکر بھی دعا کی جاسکتی ہے، اگر ہاتھ اٹھاکر دعا کی جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے قبلے کی طرف رخ کرتے ہوئے دعا کی جائے؛ تاکہ قبر پرستی یا غیر اللہ سے مانگنے کا شبہ نہ ہو؛ البتہ دفن کے بعد باقاعدہ جہری دعا کرنا، اس عمل کو ضروری سمجھنا اور اس کا التزام کرنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: از فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۴۷، کتاب النوازل، کتاب الجنائز ۶/ ۲۲۳)

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ''صحیح ابی عوانہ''

کے حوالے سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عبداللہ ذوالنجادینؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے، تو قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلۃ: ۱۴۳/۶۳)

غیر مسلم کے جنازے میں شرکت

غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا، بیمار ہو، تو اس کی عیادت کرنا، اس کے گھر والوں میں سے کسی کا انتقال ہوجائے، تو اس کی تعزیت کرنا شرعاً ثابت اور جائز ہے؛ لیکن تجہیز وتکفین میں شرکت، جنازے کے ساتھ چلنا، کندھا دینا، تدفین، کفریہ وشرکیہ اور مذہبی رسومات میں شرکت ناجائز وحرام ہے۔

اگر کسی غیر مسلم قریبی رشتہ دار کا انتقال ہوجائے، کوئی بھی شخص تجہیز وتکفین کرنے والا نہ ہو، تو غیر مسلم رشتہ دار کو غسل اور کفن دے کر قبر میں دفن کرنا درست ہے، مذہبی رسومات وغیرہ سے پوری احتیاط کرے، اگر کوئی غیر مسلم اس میت کی تجہیز وتکفین کرنے والا ہے، تو ہرگز اس غیر مسلم رشتہ دار کی تجہیز وتکفین میں بھی شرکت نہ کرے۔

جاء في صحيح ابن حبان عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما مات أبو طالب، أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله إن عملك الشيخ الضال قد مات، قال: اذهب فواره، قال علي رضي الله تعالىٰ عنه: فلما واريته، جئت إليه، فقال لي: اغتسل.

(السيرة الحلبية، باب ذكر وفاة عمه، اعلاء السنن، كتاب الجنائز، باب مايفعل المسلم اذامات له قريب كافر ۸/۲۷۲)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

جب ابوطالب کی وفات ہوگئی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: آپ کے بے ایمان چچا کا انتقال ہوگیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اُن کو دفن کردو، جب میں نے ابوطالب کو دفن کردیا، پھر حاضر خدمت ہوا، تو فرمایا: اب جا کر غسل کرو۔

(يغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه) كخاله (الكافر الأصلي) أما

المرتد، فيلقى في حفرة كالكلب (عند الاحتياج) فلو له قريب، فالأولى تركه لهم (من غير مراعاة السنة) فيغسله غسل الثوب النجس، ويلفه في خرقة.

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب لصلوۃ، کتاب الجنائز، ۳/ ۱۳۱)

عبد اللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدی بنگلور
۴ر شوال ۱۴۴۳ھ م ۶ر مئی ۲۰۲۲ء



حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ.

(بخاری، کتاب النکاح، باب من اجاب الی کراع:۵۱۷۸)

اگر مجھے بکری کے پیر کی دعوت دی جائے، تو میں قبول کروں گا، اگر مجھے بکری کے پیر کا ہدیہ پیش کیا جائے، تو میں قبول کروں گا۔

یعنی ایک غریب اور معمولی انسان بھی کسی معمولی چیز کی دعوت کرے، تو بھی ایک مسلمان کی قدر کرتے ہوئے اس کی دل داری ودل جوئی کے لیے میں اس کی دعوت کو قبول کروں گا۔

دعوت قبول کرنا مسلمان کا حق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ :قِيلَ مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: إِذَا لَقِيتَهُ، فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ، فَأَجِبْهُ ،وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ، فَانْصَحْ لَهُ ،وَإِذَا عَطَسَ، فَحَمِدَ اللهَ ،فَشَمِّتْهُ ،وَإِذَا مَرِضَ ،فَعُدْهُ إِذَا مَاتَ ،فَاتَّبِعْه.

(صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام: ۲۱۶۲)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! وہ کون سے حقوق ہیں، آپ نے فرمایا: جب تم کسی مسلمان سے ملو، تو اس کو سلام کرو، جب وہ تم کو دعوت دے، تو اس کی دعوت قبول کرو، جب وہ تم سے نصیحت (خیر خواہی، مشورہ) طلب کرے، تو اس کو اچھی نصیحت (خیر خواہی کا معاملہ) کرو، (صحیح ومناسب مشورہ دو) جب وہ چھینک کے بعد الحمد للہ کہے، تو اس کی چھینک کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہو اور جب وہ بیمار ہوجائے، تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ فوت ہوجائے، تو اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرو۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو بنیادی حقوق ہیں، ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کو دعوت دے، تو اس کی دعوت قبول کرے، جب کوئی مسلمان بھائی ولیمہ، عقیقہ، عقد نکاح، یا کسی بھی جائز مناسبت وتقریب کی بنا پر کھانے کی دعوت کرے، تو اس مسلمان بھائی کی دل داری، دل جوئی، اس کی خوشی ومسرت میں شرکت اور اس کے دلی جذبات کی قدر کرتے ہوئے اس کی دعوت کو قبول کرے، دعوت قبول کرنے میں داعی کی دل جوئی اور اس کی قدردانی ہوتی ہے، آپس میں الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے، دعوت میں شریک ہوکر تقریب کی مناسبت سے داعی، اس کے عزیز اور اقارب کے لیے خیر وبرکت کی دعائیں کرے، تہنیتی کلمات پیش کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت قبول کرنا

اسی دل داری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اگر مجھے بکری کے پیر کی دعوت دی جائے، تو میں قبول کروں گا، یعنی ایک غریب اور معمولی انسان بھی کسی معمولی چیز کی دعوت کرے، تو بھی ایک مسلمان کی قدر کرتے ہوئے اس کی دل داری ودل جوئی کے لیے میں اس کی دعوت کو قبول کروں گا۔

سبحان اللہ!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ.

(بخاری، کتاب النکاح، باب من اجاب الی کراع: ۵۱۷۸)

اگر مجھے بکری کے پیر کی دعوت دی جائے، تو میں قبول کروں گا، اگر مجھے بکری کے پیر کا ہدیہ پیش کیا جائے، تو میں قبول کروں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میری نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، آپ نے کھانا تناول فرمایا، پھر آپ نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، (نفل) نماز پڑھاؤں گا، چناں چہ میں نے ایک پرانی سیاہ حصیر اٹھائی، اس پر پانی کے چھینٹیں دیے، پھر میں اور یتیم نے صف بنائی اور نانی پیچھے کھڑی ہوگئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نفل) نماز باجماعت (گھر میں خیر وبرکت کے لیے) پڑھائی، پھر واپس گھر آئے۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی الحصیر: ۳۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر بھوک کے اثرات

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا مِنَ الأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ: أَبُو شُعَيْبٍ، كَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ، فَقَالَ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ: اصْنَعْ لِي طَعَامَ خَمْسَةٍ لَعَلِّي أَدْعُو النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ، وَأَبْصَرَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الجُوعَ، فَدَعَاهُ، فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ لَمْ يُدْعَ، فَقَالَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ هَذَا قَدِ اتَّبَعَنَا، أَتَأْذَنُ لَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ.

(رواه البخاری، کتاب الاطعمة، باب الرجل یتکلف الطعام: ٥٤٣٤)

ایک انصاری صحابی جن کو ابوشعیب کہا جاتا تھا، ان کا ایک غلام تھا، ابوشعیبؓ نے اپنے غلام سے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشمول پانچ افراد کو کھانے پر مدعو کرنا چاہتا ہوں، اس لیے پانچ افراد کا کھانا تیار کرو، میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر بھوک کے اثرات دیکھے ہیں، (چناں چہ کھانا تیار کیا گیا اور رسول اللہ علیہ وسلم جب دعوت کے لیے چلے تو) ایک ایسے شخص بھی ساتھ ہو گئے جو دعوت دئے جانے کے وقت حاضر نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص ہمارے ساتھ آ گئے ہیں، اگر آپ اجازت دیں، تو یہ بھی شریکِ طعام ہو جائیں گے، انھوں نے اجازت دے دی۔

حدیث کی کتابوں میں اس طرح کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غرباء وفقراء کی دعوت میں بھی ان کی دل داری ودل جوئی کے لیے شریک ہوتے تھے، بطور نمونہ صرف دو حدیثیں ذکر کی گئیں ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

دعوت دینے والا صدق محبت اور خلوص کے ساتھ کھانا تناول کرنے میں شرکت کی دعوت دیتا ہے، آپ کی ہم طعامی سے وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے تعلقات کو استوار اور مضبوط کرنا چاہتا ہے، بلا عذر دعوت قبول نہ کرنا بداخلاقی، بڑائی اور بے مروتی ہے، الفت ومحبت نہ ہونے کی دلیل ہے، غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا عذر شرعی دعوت قبول نہ کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے، جو لوگ مال دار، یا صاحب حیثیت ہونے کی وجہ سے غریبوں کی دعوت میں شریک نہیں ہوتے ہیں، ان لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اور فرمان یاد رکھنا چاہئے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ. صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رواه البخاری، کتاب النکاح، باب من ترک الدعوة: ٥١٧٧)

جس شخص نے (بلا عذر شرعی) دعوت کو قبول نہیں کیا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

جب ایک مسلمان دعوت دے، تواس کو ضرور قبول کرے، اگر کھانا تناول کرنے میں کوئی عذر ہو، تو میزبان سے معذرت کردے اور اس کو دعائیں دے کر واپس چلا آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ، فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا، فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا، فَلْيَطْعَمْ.

(رواه مسلم عن ابی هریرة رضی الله عنه، کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الدی الدعوة: ۱۴۳۱)

جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے، تو چاہئے کہ وہ قبول کرے، اگر وہ روزے سے ہو، (قضا یا کوئی واجب روزہ رکھا ہوا ہے، تو دعوت میں حاضر ہوجائے؛ تاہم کھانے میں شریک نہ ہو؛ البتہ) ان کے حق میں خیر اور برکت کی دعا کرے، اگر روزے سے نہ ہو، تو دعوت میں شریک ہوکر کھانا تناول کرے۔

اگر نفلی روزے سے ہو، میزبان کو کھانا تناول نہ کرنے سے تکلیف پہنچتی ہو، تو نفل روزہ توڑ کر کھانا تناول کرنا افضل ہے، اگر میزبان ہمارے عذر کو قبول کرلے، تو نفل روزے کو نہیں توڑنا چاہیئے۔ (فتح الباری، کتاب النکاح، باب من اجاب الی کراع: ۵۱۷۸)

دعوت قبول کرنے کا شرعی حکم

ولیمہ، عقیقہ، یا کسی اور جائز امر کی بنا پر دعوت دی جائے، تو اس کو قبول کرنا سنت ہے، ولیمے میں دعوت قبول کرنے کی زیادہ تاکید کی گئی ہے، بعض علما نے فرمایا کہ دعوتِ ولیمہ قبول کرنا واجب ہے؛ البتہ کھانا تناول کرنا مستحب ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب الولیمۃ: ۳۲۱۶)

ابن ملکؒ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص دعوت میں شریک ہونے سے معذور ہو، مثلاً دعوت کی جگہ اتنی دور ہے کہ وہاں جانے کے لیے کافی مشقت وتکلیف برداشت کرنی پڑے گی، تو اس صورت میں اس دعوت کو قبول نہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مدعو کو دعوت میں شریک ہونے سے کوئی خاص مشغولی ہے، مدعو نے شرکت سے معذرت کردی اور داعی نے اس کی معذرت کو قبول کرلیا، یہ بھی شرعی عذر ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب الولیمۃ: ۳۲۱۷)

مندرجہ ذیل صورتوں میں دعوت میں شریک نہیں ہونا چاہیے:

(۱) ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کرے جس کی کل آمدنی حرام ہو، اگر اکثر مال حلال ہے تو پھر تو جائز ہے؛ لیکن اگر زجر کے لیے نہ کھائے، تو بہتر ہے۔

(۲) جس دعوت میں صرف مال داروں کو بلایا گیا ہو، غریبوں کو نظر انداز کیا گیا ہو، تو اس دعوت میں شرکت نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب بدترین ولیمہ وہ ہے جس میں صرف مال داروں کو دعوت دی گئی ہو، غریبوں کو بلایا نہ گیا ہو۔

بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُدْعَى إِلَيْهِ الْأَغْنِيَاءُ، وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِينُ. (مسلم عن ابی ہریرۃ، کتاب النکاح، باب اجابة الداعی: ۱۴۳۲)

(۳) دعوت میں کوئی ایسا شخص شریک ہو جس سے دینی یا دنیوی نقصان کا خطرہ ہو، یا وہ فاسق و فاجر شخص ہو جس کے ساتھ بیٹھنا نامناسب ہو۔

(۴) کسی شخص کو دعوت میں محض اس لیے بلایا جارہا ہے کہ اس کی خوش نودی حاصل کی جائے اور اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے، یا اس کی ذات سے کوئی دنیاوی غرض پوری کرنے کے لیے دعوت دی گئی ہو، تو ایسی دعوت کو قبول نہ کرنا اولیٰ ہے۔

(۵) کسی شخص کو دعوت میں بلایا گیا ہے؛ تاکہ وہ ان لوگوں کے باطل ارادوں، یا غیر شرعی امور میں ان کی مدد کرے۔

(۶) جس دعوت میں ناجائز، غیر شرعی امور: بدعات، خرافات، رسومات اور شرکیہ اعمال کا ارتکاب کیا جارہے ہو، جیسے بے پردگی، بے حیائی، شراب نوشی، ویڈیوگرافی، میوزک اور گانا بجانا، مخلوط مجمع (اسی طرح جہیز کے مطالبے اور لین دین کی تقریبات وغیرہ) ایسی دعوت میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

(شرح مسلم للنووی، کتاب النکاح، باب اجابۃ الداعی: ۱۴۲۹، مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب الولیمۃ: ۳۲۱۶)

(۷) شہرت، ریاکاری اور تفاخر کی غرض سے جو دعوتیں کی جائیں، ان میں بھی شرکت نہ کرے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے مرسلاً مروی ہے : تفاخراورایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی غرض سے کھلائے جانے والی دعوت میں شرکت نہ کی جائے۔

(ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، :۳۷۵۴)

دعوت کے آداب

(۱) کسی دعوت میں بلائے بغیر ہرگز نہ جائے۔(الاحزاب:۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ دُعِيَ ،فَلَمْ يُجِبْ ،فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَرَسُولَهُ، وَمَنْ دَخَلَ عَلَى غَيْرِ دَعْوَةٍ،دَخَلَ سَارِقًا ،وَخَرَجَ مُغِيرًا.

(ابو داؤد، کتاب الاطعمة، باب ماجاء في اجابة الدعوة: ۳۷٤۱)

جوشخص بلائے بغیر دعوت میں جاتا ہے، وہ چور کی شکل میں داخل ہوتا ہے اورلٹیرے کی صورت میں باہر نکلتا ہے۔

(۲) جب دو شخص دعوت میں مدعو کریں ،توجس کا گھر قریب ہواورقریبی پڑوسی ہو، اس کی دعوت قبول کی جائے۔(ابوداود، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اجابۃ الدعوۃ:۳۷۴۱)

(۳) دو شخص دعوت دیں ،توجس نے پہلے دعوت دی ہے، اس کی دعوت قبول کرے۔

(سابق حوالہ)

(۴) اپنے ساتھ دعوت کے بغیر کسی شخص کو ہرگز نہ لے جائے۔

(رواہ البخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الرجل یتکلف الطعام:۵۴۳۴)

(۵) وقت سے پہلے آکر کھانا تیار ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھے۔(لاحزاب:۵۳)

(۶) کھانے سے فارغ ہوکر اپنے کاموں میں لگ جائے ، دیر تک بیٹھے رہنا اور باتوں میں مشغول ہونا میزبان کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔(لاحزاب:۵۳)



إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ، وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ.

(رواه البخاری عن ابی هریرة: ۶۲۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو جماہی ناپسند ہے، جب تم میں سے کسی کو جماہی آتی ہے اور وہ شخص منہ کھولتے ہوئے ہا، ہا کہتا ہے، تو شیطان ہنستا ہے۔

چھینک اور جماہی کے آداب

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور آپ کے اندر روح پھونکی، تو حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً چھینک آئی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے چھینک آنے پر الحمد للہ فرمایا، چھینک آنا اچھی بات ہے، چھینک انسان کی صحت کی علامت ہے، نزلے کے وقت نیز عام اوقات میں بھی جب چھینک آتی ہے، تو انسان کا دماغ، کان اور ناک کے راستے صاف ہوجاتے ہیں، آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے، سر کا بوجھ کم ہوتا ہے، جب نومولد بچہ چھینکتا ہے، تو والدین اور معالجین چھینک کو بچے کی تن درستی کی علامت سمجھ کر خوش ہوجاتے ہیں، غرض چھینک انسان کی نشاط وچستی کا سبب ہے، جس سے انسان کو اعمال وطاعات نیز دنیوی کاموں میں نشاط پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ. (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ﷺ: ۶۲۲۳)

اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں۔ (کیوں کہ چھینک اعمال میں چستی ونشاط کا سبب ہوتی ہے)۔

دین اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ اسلام انسان کو کامل واکمل بنانے کے لیے ہر چھوٹے اور بڑے ادب سے اس کو آراستہ ومزین کرتا ہے، چناں چہ اسلام نے انسانی ضروریات میں سے ہر ضرورت سے متعلق بہترین آداب وتعلیمات کو پیش کیا ہے، من جملہ ان کے چھینک ہے، جسے ہم معمولی چیز سمجھتے ہیں، اس کے آداب کو بھی بیان کیا ہے، لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم چھینک کے آداب کو معلوم کریں اور ان پر عمل کریں۔

چھینک چوں کہ اللہ کی نعمتِ صحت وتن درستی کی علامت، چستی اور نشاط کا سبب ہے، اس لیے چھینک آنے پر الحمد للہ کے ذریعے اللہ کا شکر ادا کرنے کو مستقل عبادت قرار دیا گیا ہے۔

چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ.

(رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ﷺ: ۶۲۲۴)

جس آدمی کو چھینک آئے، اس کو چاہئے کو الحمد للہ کہے۔

اسی لیے سب سے پہلے انسان ہمارے دادا حضرت آدم علیہ السلام کو جب چھینک آئی، تو اللہ نے آپ کی زبان سے الحمد للہ کو جاری فرما کر ساری انسانیت کے لیے ایک ادب قرار دیا، شریعتِ اسلامیہ نے بھی اس کو ادب؛ بلکہ مستقل سنت قرار دیا ہے، آپ علیہ السلام نے والدین کو بچپن ہی سے بچوں کو اس ادب سے آراستہ ومزین کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

ہلال بن یساف فرماتے ہیں:

ہم حضرت سالم بن عبیدؓ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، حاضرین میں سے ایک شخص کو چھینک آئی، اس شخص نے کہا: السلام علیکم، تم پر اور تمہاری ماں پر سلام ہو، چھینکنے والے کو تھوڑی خفت سے محسوس ہوئی، جس کو حضرت سالم نے محسوس فرما کر ارشاد فرمایا: سنو میں نے وہی بات کہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، آپ کی مجلس میں ایک شخص حاضر تھے، ان کو چھینک آئی، تو انھوں نے کہا، السلام علیکم، آپ علیہ السلام نے فرمایا: علیک وعلی امک۔ (سلام تم پر اور تمہاری ماں پر ہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سے کسی کو چھینک آئے، تو الحمد للہ رب العالمین کہے، جو الحمد للہ کو سنے وہ یرحمک اللہ کہے، اس کے جواب میں چھینکنے والا **یغفر اللہ لی ولم** کہے۔ (ترمذی، ابواب الادب، باب کیف یشمت العاطس: ۲۷۴۰)

محدثین نے فرمایا:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم اور تمہاری ماں اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کے لیے سلامتی کی دعا کی جائے کیوں کہ تمہاری ماں نے تمہیں ادب نہیں سکھایا اور چھینک آنے پر کیا کہنا چاہئے بتایا نہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام چھینک کے متعلق بہت سارے آداب بیان فرمائے ہیں۔

چھینک کے آداب

(۱) جب کسی شخص کو چھینک آئے، تو الحمد للہ کہے۔ (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃؓ: ۶۲۲۴)

یا الحمد للہ علی کل حال کہے۔ (رواہ ترمذی عن ابن عمرؓ، ابواب الادب، باب کیف یشمت العاطس: ۲۷۴۱)

یا الحمد للہ رب العالمین کہے۔

(روہ لترمذی عن سالم بن عبید، ابواب الادب، باب کیف یشمت العاطس: ۲۷۴۰)

یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

(۲) جب چھینکنے والا اپنی چھینک پر الحمدللہ کہے، تو سننے والا اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ (بخاری: ۶۲۲۴)

(۳) یرحمک اللہ کے جواب میں چھینکنے والا

یھدیکم اللہ ویصلح بالکم، یا یغفر اللہ لنا ولکم کہے۔ (بخاری: ۶۲۲۴)

(۴) چھینکنے والا چھینک کے وقت اپنے چہرے کو کپڑے یا کم از کم ہاتھ سے ڈھانک لے (؛ تاکہ چھینک کے وقت ناک اور منہ سے نکلنے والی رطوبتوں سے کسی کو تکلیف نہ ہو، نیز کھانے پینے کی چیزیں ہو، تو اس میں ناک اور منہ کی رطوبات نہ گریں)۔

(۵) چھینک کے وقت اپنی آواز کو پست رکھے۔

آپ علیہ السلام چھینک کے وقت اپنے چہرے کو کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانک لیتے تھے اور آواز کو پست کرلیا کرتے تھے۔ (ابوداود، کتاب الادب، باب العطاس: ۵۰۲۹)

(۶) محرم عورتیں چھینک کر الحمدللہ کہیں، تو محرم مردوں کے لیے یرحمک اللہ کہنا ضروری ہے، نیز مرد محارم مرد کی چھینک کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ (ہندیہ ۵/۳۲۷)

تشمیتِ عاطس کا حکم

مسلمان بھائی چھینک کر الحمدللہ کہے، تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا، یہ اس کا شرعی حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک مسلمان بھائی پر دوسرے مسلمان بھائی کے لیے چھ حقوق ہیں۔۔۔جن میں سے ایک حق چھینک پر الحمدللہ کہے، تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

(رواہ مسلم، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام: ۲۱۶۲)

جب چھینکنے والا الحمد اللہ کہے، تو سننے والے پر یرحمک اللہ کہنا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ میں یہی قول نقل کیا گیا ہے)

بعض علماء نے مستحب قرار دیا ہے، جمہور علماء کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

لہٰذا چھینکنے والے کی الحمدللہ سننے والا ایک شخص ہو،توضرور یرحمک اللہ کہنا چاہئے ، اگر ایک جماعت ہو،توان میں سے کسی ایک شخص کی طرف سے یرحمک اللہ کہنا کافی ہے۔

(عمدۃ القاری ۱۵/۳۴۰)

مندرجہ ذیل مواقع میں تشمیتِ عاطس ضروری نہیں

(۱) جو آدمی چھینک کر الحمدللہ نہ کہے۔

(رواہ البخاری عن انسؓ، کتاب الآداب، باب لایشمت العاطس اذلم یحمد: ۶۲۲۵)

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ، فَحَمِدَ اللهَ، فَشَمِّتُوهُ، فَإِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللهَ، فَلَا تُشَمِّتُوهُ.

(رواہ مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب تشمیت العاطس، وکراھیۃ التثاؤب: ۲۹۹۲)

جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے، توتم جواب دو، اگر وہ الحمدللہ نہ کہے، تو اس کا جواب مت دو، لہٰذا جو شخص اپنی چھینک پر الحمدللہ نہ کہے، وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر تھے، دونوں کو چھینک آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی چھینک پر یرحمک اللہ فرمایا، دوسرے کی چھینک پر یرحمک اللہ نہیں فرمایا، اس پر دوسرے شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے اس کے لیے یرحمک اللہ فرمایا، میرے لیے نہیں فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا: اس نے چھینک پر الحمدللہ کہا، اس لیے وہ جواب کا مستحق ہوا اور تم نے اپنی چھینک پر الحمدللہ نہیں کہا، توتم جواب کے مستحق نہیں ہوئے۔

(بخاری، کتاب الآداب، باب الحمد للعاطس: ۶۲۲۱)

(۲) جب آدمی تین مرتبہ سے زیادہ چھینکے، توتین مرتبہ سے زیادہ چھینکنے پر جواب دینا ضروری نہیں ہے، چاہے توجواب دے، اگر چاہے توجواب نہ دے۔

(رواہ ابوداد، کتاب الادب، کم مرۃ یشمت العاطس: ۵۰۳۴)

(۳) بے ایمان کی چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا جائز نہیں ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں:

یہودی رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی خدمت میں چھینکتے تھے (چھینک پر الحمدللہ بھی کہتے) اور یہ امید رکھتے کہ آپ علیہ السلام جواب میں یرحمک اللہ فرمائیں گے؛ لیکن آپ علیہ السلام ان کے جواب میں یرحمک اللہ نہیں فرماتے (اس لیے کہ وہ اپنے بے ایمانی کی وجہ سے اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں، لہٰذا ان کو رحمت کی دعا نہیں دی جاسکتی)؛ بلکہ ان کے جواب میں آپ علیہ السلام یھدیکم اللہ ویصلح بالکم فرماتے (ان کی ہدایت اور اصلاحِ احوال کی دعا دیتے)۔ (رواہ ابوداد، کتاب الادب، باب کیف یشمت الذمی: ۵۰۳۸)

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبات کے وقت جواب نہ دے۔ (عمدۃ القاری ۱۵/ ۳۴۰)

(۵) اگر کوئی شخص بیت الخلا میں چھینک کر الحمدللہ کہے، تو اس کا جواب لازم نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۵/ ۳۴۰)

مسئلہ: اگر کسی شخص کو نماز میں چھینک آگئی اور اس نے بے اختیار الحمدللہ کہہ دیا، تو نماز فاسد نہیں ہوگی، جو شخص چھینکنے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہا، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (ھدایہ ۱/ ۱۳۵)

جماہی کے آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ، وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ.

(رواہ البخاری عن ابی ھریرۃؓ: ۶۲۲۳)

اللہ تعالیٰ کو جماہی ناپسند ہے، جب تم میں سے کسی کو جماہی آتی ہے اور وہ شخص منہ کھولتے ہوئے ہا، ہا کہتا ہے، تو شیطان ہنستا ہے۔

جماہی زیادہ کھانے، آنتوں کے بھر جانے، نفس وطبیعت کے بوجھل ہوجانے اور حواس کی کدورت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جو غفلت، سستی اور سوئے فہم کا سبب بنتی ہے، نیز جماہی کے وقت انسان کا چہرہ طبعی حالت پر باقی نہیں رہتا ہے، جس کی وجہ سے شیطان خوش ہوجاتا ہے کہ انسان کی طبعی حالت بھی متغیر ہوئی، نیز اب یہ انسان طاعات واعمال اور دیگر ضروری امور میں سستی اور کاہلی کا شکار ہو کر اعمال سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر بھر جماہی

نہیں آئی ہے، جس کی صراحت مصنف ابن شیبہ کی روایت میں موجود ہے، نیز علامہ خطابیؒ نے مسلمہؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کسی بھی نبی کو جماہی نہیں آئی۔ (فتح الباری ۱۰/ ۷۱۵)

أَمَّا التَّثَاؤُبُ: فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ، ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ.

(رواہ لبخاری عن ابی ہریرۃ ﷺ، کتاب الادب، اذاتثاؤب وضع یدہ: ۶۲۲۶)

جماہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے، تو جہاں تک ہوسکے، اس کو روکنے کی کوشش کرے، (جبڑوں کو مضبوطی سے دبالے، اگر بے قابو ہو جائے، تو منہ پر ہاتھ رکھ لے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر یہ سوچے کہ کسی نبی کو جماہی نہیں آئی تو جماہی بند ہوجاتی ہے)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ، فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فِيهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ. (رواہ مسلم، کتاب الزہد والرقائق: ۲۹۹۵)

جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے، تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، اس لیے کہ شیطان منہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ (لہٰذا منہ پر ہاتھ رکھے)

علماء نے لکھا ہے کہ اگر انسان تلاوت، دینی گفتگو وغیرہ میں مشغول ہو اور جماہی آجائے تو جماہی کو مکمل طور سے بند ہوجانے کے بعد تلاوت کرنا چاہئے، جماہی کے وقت ہا، ہا، کرتے ہوئے تلاوت، دینی باتیں اور ضروری باتیں نہ کرے۔

عبداللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

۱۹/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ م ۲۲/۱۱/۲۰۱۳ء

عَنْ قَيْسٍ سَمِعْتُ جَرِيرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (بخاری، کتاب البیوع، باب ھل یبیع حاضر لباد: ۲۱۵۷)

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، اقامتِ صلوۃ، زکوۃ کی ادائیگی، سمع وطاعت اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنے پر بیعت کی ہے۔

مسلمان کے ساتھ خیر خواہی

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں؛ ان میں سے ایک اہم حق مسلمان کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ ہے، مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے سے آپس میں محبت اور الفت پیدا ہوتی ہے، دل کینہ، حسد، بغض اور نفرتوں سے پاک ہوتے ہیں، خیر خواہ سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے، بدخواہ سے لوگ دور بھاگتے ہیں، خیر خواہی وہی کر سکتا ہے جو بے غرض ہو، ہر ایک کے لیے دل میں وسعت وفراخی رکھتا ہو اور اس کا دل کینہ، بغض، عداوت اور حسد سے پاک ہو۔

ایک مسلمان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو اس کے حق میں بہتر ہو، اس کے حقوق ادا کئے جائیں، اس کی راحت رسانی کی فکر کی جائے، اس کو تکلیف واذیت پہنچانے سے گریز کیا جائے، دینی ودنیوی امور میں اپنے دینی بھائی کے لیے اس اُمر کی خواہش کرے، کوشش کرے اور اس کی رہبری کرے جس میں اس کی بھلائی ہو، مصیبت میں مبتلا ہو جائے، تو مصیبت میں مبتلا ہو جانے پر نہ ہی خوش ہونا چاہیے، نہ خوشی کا اظہار کرے؛ بلکہ اپنی طاقت کے موافق اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

(رواہ البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ: ۱۳)

تم میں سے کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہو سکتا: جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کو ایمان کے کمال کا ذریعہ بتایا ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ: يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ، وَيَتْبَعُ جِنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ، وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

(ترمذی، ابواب الادب، باب ماجاء فی تشمیت العاطس: ۲۷۳۶)

حضرت تمیم داریؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، قَالُوا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَكِتَابِهِ، وَرَسُولِهِ، وَأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ، وَعَامَّتِهِمْ، أَوْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ.

(سنن ابی داؤد، کتاب الآداب، باب النصیحة: ٤٩٤٤)

دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے، دین سراسر خیر خواہی ہے، دین سراسر خیر خواہی ہے، یعنی دین کے وجود اور بقا کا دار و مدار خیر خواہی پر ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بار بار دہرائی، تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! خیر خواہی کس کے ساتھ کرنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، حکومت کے سربراہان ااور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات پر جیسے وہ متصف ہے ایمان لانا، صرف اسی کی بندگی کرنا، اس کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور اس کے احکام پر عمل کرنا۔

اللہ کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی

اللہ کی کتاب پر ایمان لانا، اس کی عظمت کرنا، اس سے محبت کرنا، اس کی تلاوت کرنا، اس کی تبلیغ واشاعت کرنا، اس میں تدبر اور غور وفکر کرنا، اس کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا۔

اللہ کے رسول کے ساتھ خیر خواہی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا، آپ سے محبت کرنا، آپ کی تعظیم کرنا، آپ کی شان میں نہ غلو کرنا نہ آپ کی توہین، آپ کی سنت وشریعت پر عمل کرنا، آپ کے دین کی نشر واشاعت کرنا۔

امراء کے ساتھ خیر خواہی

واجب اور جائز امور میں ان کی اطاعت اور پیری کرنا، ان کے ساتھ معاونت کا معاملہ کرنا، شدید مجبوری کے بغیر ان سے بغاوت نہ کرنا۔

عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی

عام مسلمانوں کی بھلائی کی بات سوچنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا، ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو ان کے حق میں مناسب اور بہتر ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيلَ: مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ، فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ، فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ، فَحَمِدَ اللهَ، فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ، فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ.

(رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب الآداب، باب من حق المسلم علی المسلم: ۲۱۶۲)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، عرض کیا گیا: وہ حقوق کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان تم سے ملاقات کرے، تو تم اس کو سلام کرو، جب وہ دعوت دے، تو اس کی دعوت کو قبول کرو، جب وہ تم سے خیر خواہی چاہے، تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرو، (جب تم سے اپنے کسی معاملے میں مشورہ طلب کرے، تو اس کو مشورہ دینے میں اس کی خیر خواہی کا لحاظ کرو) جب اس کو چھینک آئے اور الحمد للہ کہے، تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہو، جب وہ بیمار ہوجائے، تو اس کی عیادت کرو، جب وہ مرجائے، تو اس کے جنازے میں شرکت کرو۔

مسلمان کے ساتھ خیر خواہی

ہر مسلمان کے ساتھ خواہ وہ موجود ہو، یا نہ ہو، جانا پہچانا ہو، یا انجا ہو، ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کرنا دین کا حصہ ہے، مسلمان کا حق ہے، اگر کوئی مسلمان کسی سے خیر خواہی کا طلب گار ہوتا ہے، تو خیر خواہی واجب کے درجے میں ہو جاتی ہے، اگر کوئی کام اس کے مناسب و بہتر ہو، تو اس کی ترغیب دینا، کوئی کام اس کے لیے نقصان دہ ہو، تو اس کو نقصان سے بچانے کی فکر کرنا، یہ مسلمان کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

جب کوئی مسلمان اپنی ذات، کاروبار، ملازمت، کسی چیز کی خرید وفروخت، رشتۂ نکاح ،طلاق وخلع ، یا کسی بھی مسئلے میں آپ پر اعتماد کرتے ہوئے آپ سے مشورہ کرے، تو اُس وقت اس کو پوری امانت داری کے ساتھ اس کے مناسب حال مشورہ دینا، نقصان سے بچانے کی فکر کرنا ،اُس حالت میں اپنے لیے جو فیصلہ لے سکتے ہیں، وہ فیصلہ اُس کے لیے کرنا لازم ہو جاتا ہے، جو بھلائیاں ہیں، ٹھیک ٹھیک ان کی وضاحت کرے، جو خرابیاں ہوں ،ان کو صاف صاف بتائے ،اگر اس سلسلے میں کوئی کوتاہی کرتا ہے، تو یہ مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کے منافی اور خیانت ہوگی ،اگر کسی مسئلے میں دھوکہ دینے کی کوشش کی جائے، تو علماء نے اس کو نفاق قرار دیا ہے۔

ہر مسلمان کے ساتھ ''خیر خواہی'' کرنا، اس خیر خواہی کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ''ہر مسلمان کی خیر خواہی'' یہ ایک ایسا عملِ خیر ہے کہ اگر ہر مسلمان اس تعلیم نبوت کو حرزِ جان بنا کر اس پر عمل شروع کر دے، تو ایک مسلم معاشرے کی کایا پلٹ جائے اور ''مسلم معاشرہ'' راحت وسکون اور اطمینان کا ایک ایسا گہوارہ بن جائے کہ دنیا ہی میں جنت کے سکون واطمینان کا جلوہ نظر آنے لگے۔

جب ہر مسلمان اپنے اوپر لازم کرلے کہ میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، ہر ایک کی صلاح وفلاح اور نفع رسانی وبھلائی کے سوا نہ کچھ کروں گا، نہ کچھ سوچوں گا، تو نہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ساتھ خیانت کرے گا، نہ چغلی، نہ غیبت نہ بہتان تراشی کا مرتکب ہوگا، نہ کسی طرح کا ظلم وستم کرے گا، وہ سب کا بھلا چاہے گا اور سب کے ساتھ بھلائی کرے گا، تو مسلم معاشرہ

ہر قسم کے مکروفریب، نقصان وضرر، ظلم وستم، بغض وحسد، عنادونفاق، بدخواہی وایذارسانی وغیرہ تمام اخلاق رزیلہ سے پاک وصاف ہوجائے گا۔

سب سے زیادہ خیرخواہ حضرات انبیاء علیہم السلام

مخلوق میں سب سے زیادہ خیرخواہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں، جنہوں نے اپنی امتوں کے ساتھ بے پناہ خیرخواہی کا معاملہ فرمایا ہے،

''انی انصح لکم، انی انالکم ناصح امین'' وغیرہ کلمات سے امت کے سامنے اپنا ناصح ہونا بیان فرمایا، حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں سے ہم دردی وشفقت ہوتی ہے، اس وجہ سے وہ لوگوں کو ایسی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں، جن میں ان کی دنیا وآخرت کی بھلائی اور کامیابی ہوتی ہے۔

امت اپنے خیرخواہ اور ناصح لوگوں سے غافل ہوتی ہے، ان کی ہدایات اور تعلیمات سے روگردانی کرتی ہے، تو بھی حضرات انبیاء اپنی خیرخواہی کے وافر جذبات اور دلی تڑپ کے ساتھ ان کے گھروں پر رات اور دن جاکر محض ان کی خیرخواہی کی بنیاد پر کر محنت کرتے ہیں اور امت کو سمجھاتے ہیں کہ ہماری محنت کی مزدوری اور بدلہ اللہ دیں گے، ہم بے غرض ہوکر تمہارے دروزاوں پر آکر تمہاری تھوڑیاں پکڑ کر تمہاری ساتھ بھلائی چاہتے ہیں اور جنت کی دعوت اور جہنم سے بچانے کی فکر کرتے ہیں، انسانوں کے ساتھ خیرخواہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی خاص صفت ہے، اسی صفت کو عام امتی کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرخواہی کی ایک عمدہ مثال

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حوله، جَعَلَ الْفَرَاشُ، وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّار يقعن فِيهَا، وَجعل يحجزهن ويغلبنه، فيقتحمن فِيهَا، فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ يقتحمون فِيهَا. هَذِهِ رِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهَا وَقَالَ فِي آخرهَا: " فَذَلِكَ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ

عَنِ النَّارِ: هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُونِي تَقَحَّمُونَ فِيهَا.

میری اور لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو آگ روشن کرے، جب آگ نے اپنے آس پاس کی چیزوں کو روشن کر دیا، تو چاروں جانب سے پروانے اور یہ جانور (جو روشنی کا رخ کرتے ہیں) آگ میں گرنا چاہتے ہیں، آگ روشن کرنے والا آدمی ان پروانوں کو روک رہا ہے، پھر بھی وہ اس پر غالب آرہے ہیں (اس کے قابو سے باہر ہو رہے ہیں، اسی طرح تم نفسانی خواہشات، معاصی اور محرمات کا ارتکاب کرتے ہوئے جہنم کی آگ میں کودنا چاہتے ہو) میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں روک رہا ہوں (معاصی کفر اور شرک سے) پھر بھی تم مجھ پر غالب آرہے ہو۔ (بخاری، کتاب الرقاق، باب الانتہاء عن المعاصی: ۶۴۸۳)

مسلم شریف کی روایت میں یہ اضافہ ہے: میں تمہاری کمر پکڑ کر کہہ رہا ہوں کہ آگ سے دور ہٹو، آگ سے دور ہٹو، پھر بھی تم مجھ پر غالب آرہے ہو۔

(مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ ومبالغتہ فی تحذیرھم مما یضرہم: ۲۲۸۴)

حضرات انبیاء علیہم السلام کی خیر خواہی کے چند نمونے

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾.

(الاعراف: ۶۲)

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾. (الاعراف: ۶۸)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾. (نوح: ۵-۱۰)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ

قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝۸۹ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا
اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝۹۰. (ہود:۸۸-۹۰)

خیرخواہی اور حضرت جریرؓ کی استقامت

عَنْ قَيْسٍ سَمِعْتُ جَرِيرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (بخاری، کتاب البیوع، باب ھل یبیع حاضر لباد:۲۱۵۷)

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، اقامت صلوۃ، زکوۃ کی ادائیگی، سمع وطاعت اور ہر مسلمان کے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ کرنے پر بیعت کی ہے۔

حضرت جریرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عہد کیا تھا، ساری زندگی اُس عہد کے پابند رہے، مسلمانوں کا اجتماعی معاملہ ہو، یا کسی مسلمان کا انفرادی مسئلہ، ہر موقع پر مسلمان کے ساتھ خیرخواہی کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (جو حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے ''کوفے'' کے امیر تھے) کا انتقال ہوگیا، (جب کسی سرکاری ذمہ دار اور امیر کا انتقال ہوتا ہے، تو عوام میں بغاوت، انتشار اور خانہ جنگی کے خطرات پیدا ہوتے ہیں، امن وامان ختم ہوجاتا ہے، ''کوفے'' میں اس طرح کے حالات بکثرت پیش آتے تھے، اس لیے حضرت جریرؓ ''کوفے'' میں امن وامان کے باقی رکھنے اور عوام کو فتنوں سے بچانے کی فکر سے) مسجد کے منبر پر کھڑے ہوکر اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: اُس اللہ سے ڈرو جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، سکون اور اطمینان کو لازم پکڑو؛ یہاں تک کہ کوئی امیر (حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے) مقرر ہوکر آجائے، کسی قسم کے فتنے اور فساد میں مت پڑو، امن وامان کو لازم پکڑو) امیر جلد آجائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اپنے (وفات پانے والے) امیر کے لیے معافی وبخشش طلب کرو،

وہ معافی وبخشش کو پسند کرتے تھے، پھر آخر میں فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے شرط لگائی کہ میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا، اس مسجد کے رب کی قسم، میں نے اس شرط کو قبول کرتے ہوئے بیعت کی ہے، (میں اس عہد و بیعت کو نبھانے کی سعی کرتا ہوں اس لیے) میں نے تمہارے ساتھ خیر خواہی کی ہے، (امن وسلامتی کو برقرار رکھنے کی تلقین کی ہے) یہ باتیں کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے۔ (بخاری، کتاب لایمان، باب: الدین النصیحۃ: ۵۸)

حضرت جریرؓ کی خیر خواہی کا ایک دل چسپ واقعہ

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام سے فرمایا کہ تین سو درہم میں ایک گھوڑا خرید کر لاؤ، غلام بازار گیا، تین سو درہم میں گھوڑا خرید کر گھوڑے کے مالک کو ساتھ لے آیا؛ تاکہ حضرت جریرؓ مالک کو قیمت ادا کریں، حضرت جریرؓ نے گھوڑا دیکھ کر مالک سے فرمایا: تمہارا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے، کیا تم اس کو چار سو درہم میں خریدو گے؟ اس نے خوش ہو کر کہا: ضرور، پھر حضرت جریرؓ نے کہا: تمہارا گھوڑا چار سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے، کیا تم پانچ سو درہم میں فروخت کروگے؟ اسی طرح قیمت بڑھاتے بڑھاتے آٹھ سو درہم تک لے گئے اور آٹھ سو درہم میں گھوڑا خریدا، کسی نے عرض کیا: حضرت! گھوڑا آپ کو تین سو روپئے میں مل رہا تھا، آپ نے آٹھ سو روپئے میں کیوں خریدا؟

حضرت جریرؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہر مسلمان کے ساتھ بھلائی وخیر خواہی کرنے پر بیعت کی ہے (میں اس عہد و بیعت کا پابند ہوں)، اس شخص کا گھوڑا میرے نزدیک تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا تھا، اگر میں تین سو درہم میں خریدتا، تو یہ مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کے خلاف ہوتا، اس گھوڑے کی واقعی جو قیمت تھی، میں نے وہ ادا کی ہے۔ (طبرانی بحوالہ فتح الباری، کتاب الایمان، باب: الدین النصیحۃ: ۵۸)

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دینِ اسلام فقط عبادات، ذکر و اذکار یا وظائف کا نام نہیں؛ بلکہ بندوں کے حقوق، ان کے ساتھ خیر خواہی، ان کے لیے خیر اور بھلائی کا چاہنا، یہ بھی دینِ اسلام کا حصہ ہے، لوگوں کی تذلیل کرنا، یا اُن کے نقصان کے درپے ہونا، یا اُن کے

ساتھ بدخواہی کا معاملہ کرنا ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

قرآن مجید میں دو خیر خواہ مرد مؤمن کا ذکر خیر

اللہ تعالیٰ سورۂ یٰس میں ایک مرد صالح کا ذکر فرمایا ہے جس کا نام حبیب نجار تھا، بستی کے ایک کنارے عبادت میں مشغول رہتا اور حلال روزی حاصل کرتا تھا، شہر ''انطاکیہ'' (کما قال المفسرون) کی طرف جو پیغمبر یا پیغمبر کے قاصد آئے تھے، ان کی دعوت پر دین حق کو قبول کرلیا تھا، جب حبیب نجار کو اطلاع ہوئی کہ بستی والے ان اللہ کے نیک بندوں کو دھمکیاں دے رہیں، شہر سے نکالنے کی تدبیر کررہے ہیں، تو ان مرسلین کی تائید وحمایت اور اپنی قوم مکذبین کی نصیحت وفہمائش کے لیے دوڑتا ہوا آیا، مکذبین کے شر سے مرسلین کو بچانے اور اپنی قوم کی خیرخواہی اور ہدایت کے لیے اس نے بڑے درد ورنج کے ساتھ قوم کو خطاب کیا، قوم نے اس رجل مؤمن کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا، اللہ نے شہادت کے فورًا بعد اس رجل مؤمن کو جنت میں داخل فرمادیا جیسا کہ شہداء کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے، اس وقت بھی اس مرد مؤمن نے یہ تمنا کی کہ کاش میری قوم کو میرے اکرام، اعزاز اور انعام کی اطلاع ہوجاتی، (تو شاید میری قوم مؤمن بن جائے) یہ ساری باتیں اس مرد مومن نے ان مرسلین کی تائید وحمایت اور اپنی قوم کی خیرخواہی میں کی ہیں، اسی خیرخواہی کے نتیجے میں ایک گم نام اور سماجی اعتبار سے کمزور مرد مؤمن کا تذکرہ اللہ نے اپنی ابدی وآفاقی کتاب میں فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ غافر میں تقریباً اٹھارہ آیتوں میں ایک رجل مؤمن کا ذکر فرمایا ہے جو فرعون کے خاندان سے تھا، خفیہ طور پر حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان لاچکا تھا، اسی مرد مؤمن کی نسبت سے سورۃ الغافر کا دوسرا نام سوۂ مؤمن ہے، جب موسی علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون کو دین کی دعوت دی، فرعون تکبر وغرور سے چور ہوکر دوسری مرتبہ بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنے اور بچیوں کو زندہ رکھنے کا حکم صادر کیا اور حضرت موسی علیہ السلام قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو اس رجل مؤمن نے بڑی فکرمندی، دل سوزی کے ساتھ خیرخواہانہ اور محبت آمیز لب ولہجے، دل کش ودل فریب اسلوب بیان میں فرعون اور اس کی قوم فرعون کو سمجھانے کی کوشش کی، پچھلی اقوام کے حالات کا ذکر کیا، دنیا کی فنائیت اور آخرت کے بقا کو بیان کیا

،غرض مختلف اسلوب سے ہمت وجرأت کے ساتھ حضرت موسی علیہ السلام کی حمایت اور اپنی قوم کی خیر خواہی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ؛ تاکہ حضرت موسی علیہ السلام کوفرعون کی طرف سے پہنچنے والے کسی بھی تکلیف واذیت سے محفوظ رکھا جاسکے اور فرعون اوراس کی قوم کو ہدایت نصیب ہوجائے ،اس رجل مؤمن نے تھک کرآخر میں یوں کہا

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾. (الغافر:۴۴)

میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستے پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو، ایک طرف سے ایسی دشمنی اور دوسری جانب سے یہ خیر خواہی ۔۔۔

جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھو گے، اُس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے کہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا، وہ ٹھیک کہتا تھا؛ لیکن اُس وقت یاد کر کے پشیمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، میں خدا کی حجت تمام کر چکا اور نصیحت کی بات سمجھا چکا،تم نہیں مانتے ،تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں، اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں، اسی پر میرا بھروسہ ہے،تم اگر مجھے ستانا چاہو گے،تو وہ ہی خدا میرا حامی وناصر ہے،سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں، وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے، کسی کی کوئی حرکت اس پر پوشیدہ نہیں، ایک مومن قانت کا کام یہ ہے کہ اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجہ کو خدا کے سپرد کرے۔

(فوائد عثمانی مع اختصار)

مذکورہ دونوں مرد مؤمن نہ پیغمبر تھے، نہ پیغمبر کے حواری میں شامل، وہ تو صرف عام مؤمن تھے ،اپنی قوم کی خیر خواہی کے بنا پر ان کو شہید کر دیا گیا، اللہ رب العزت نے ان دونوں مرد مومن کا ذکر خیر اپنے ابدی آفاقی وزندہ وجاوید کتاب میں ان کی خیر خواہی کی بنیاد پر فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں خیر خواہ چیونٹی کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں چیونٹی کا ذکر فرمایا ہے، اس کی بے شمار وجوہات مفسرین نے ذکر کی ہیں، ایک اہم وجہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے جانوروں اور پرندوں وغیرہ کی بولیاں کو سمجھنے کی جو صلاحیت عطا فرمائی تھی، اس کا اظہار مقصود ہے، اس کے علاوہ دیگر وجوہات بھی قرآن کی آیات سے ثابت ہوتی ہیں، ایک وجہ مفسرین نے یہ بھی بتائی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کو گفتگو سے خوشی ہوئی، ہنسی آئی، اس کی احتیاط، اس کی حسنِ تدبیر، حسنِ تعبیر اور اپنی قوم کی خیر خواہی کی وجہ سے، اللہ نے ایک حقیر و معمولی حشرات الارض کا ذکر قرآن پاک میں اس کی خیر خواہی کی وجہ سے فرمایا ہے۔

قالَتْ نَمْلَةٌ أي رأتهم متوجهين إلى واديها يا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَساكِنَكُمْ لا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لا يَشْعُرُونَ أي بمكانكم فَتَبَسَّمَ ضاحِكاً مِنْ قَوْلِها أي تعجبا من حذرها واهتدائها إلى تدبير مصالحها ومصالح بني نوعها. وسرورا بشهرة حاله وحال جنوده في باب التقوى والشفقة.

(تفسير القاسمي: النمل، روح البيان، تفسير السعدی)

عبداللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور
۲۴ر شوال المکرم ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۶ر مئی ۲۰۲۲ء



میں تمہارے لیے مہربان باپ ہوں

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُكُمْ، فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا، وَلَا يَسْتَطِبْ بِيَمِينِهِ، وَكَانَ يَأْمُرُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، وَيَنْهَى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ.

(رواه ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة: ۸)

میں تم لوگوں کے لیے باپ کے درجے میں ہوں، جب تم میں سے کوئی استنجے کے لیے جائے، تو چاہئے کہ وہ قبلے کی طرف نہ منہ کرے نہ پیٹھ، اپنے داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم استنجے میں تین ڈھیلوں کے استعمال کا حکم دیتے تھے، لید، گوبر اور بوسیدہ ہڈیوں سے استنجا کرنے سے منع فرماتے تھے۔

استنجے کے آداب اور احکام

جس طرح کھانا، پینا اور سونا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، اسی طرح پیشاب اور پاخانے سے فراغت بھی انسانی ضرورت ہے، یہ ضرورت فطری وطبعی نظام پر قائم ہو، تو انسان صحت مند اور تن درست رہتا ہے، خدانخواستہ اگر یہ نظام گڑبڑ ہوجائے، تو ناقابل برداشت تکلیفوں کا سامنا کرتا ہے، ڈاکٹروں کا کھلونا بن جاتا ہے، یہ نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور بہت بڑی نعمت ہے۔

طبعی طریقے پر سہولت کے ساتھ غذا کا استعمال، پھر اس کا ہضم ہونا، پھر غذا کے جو اجزاء مفیدِ بدن ہوں، ان کا جزءِ بدن بن جانا، جو فضلہ اور مضرِ صحت وبدن ہو، اس کا بدن سے سہولت وآسانی کے ساتھ خارج ہوجانا، یہ سب اللہ کی بہت بڑی بڑی نعمتیں ہیں، ان عظیم نعمتوں کی قدر لوگوں کو اس وقت ہوتی ہے؛ جب وہ بوڑھاپے کی عمر میں داخل ہوجائیں، یا بیمار ہوکر ڈاکٹروں کا کھلونا بن جائیں۔

ہمارے محسن ومہربان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان نعمتوں کا استحضار کرنے، ان کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی اور اس کا طریقہ بھی بتایا، انسان قضائے حاجت کے لیے تنہا کھلے میدان، یا بیت الخلا میں جانے اور اپنا ستر کھولنے پر مجبور ہوتا ہے؛ تاکہ اپنے بدن میں جو فضلہ وگندگی ہے، اس کو خارج کرے، شیاطین اور خبیث مخلوقات کو گندگی اور گندگی کے مقامات سے خاص مناسبت ہوتی ہے، وہی ان کے مراکز اور دل چسپی کے مقامات ہوتے ہیں، جب ان کو انسان کو نقصان پہنچانے اور شرارت کا موقع ملتا ہے، تو ضرور جسمانی اور روحانی نقصان پہنچادیتے ہیں، جب انسان ستر کھولتا ہے اور دعا سے اپنی حفاظت کا انتظام نہیں کرتا ہے، تو ارشادِ نبوی کے مطابق شیاطین اس کی شرم گاہ سے کھیلتے اور ہنستے ہیں۔

اس لیے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سمجھایا کہ میں تم لوگوں کے لیے ایسے ہی ہوں، جیسے اولاد کے لیے باپ، یعنی جس طرح ایک خیر خواہ، عقل مند، مشفق اور مہربان باپ

اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے اور اپنی اولاد کو بے تکلف زندگی کے ہر چھوٹے اور بڑے ادب کو بتاتا اور سکھاتا ہے، اس کی دنیوی اور اخروی ضروریات کو پوری کرنے کا طریقہ بتاتا ہے اور ان کو دنیوی واخروی نقصانات سے بچانے کی فکر اور کوشش کرتا ہے، اسی طرح میں تمہیں زندگی گذارنے کا طریقہ، انسانی زندگی سے متعلق ہر ضرورت کو سلیقے سے پورا کرنے کا طریقہ بتاتا اور سکھاتا ہوں۔

لہٰذا تم بیت الخلا اور گندگی کے مقامات میں جانے سے پہلے خبیث مخلوقات سے اللہ کی پناہ طلب کرلو، ضرورت پوری کرتے وقت لوگوں کے سامنے ستر کھولنے اور گندگی کو داہنے ہاتھ سے صاف کرنے سے احتیاط کرو، احترامِ کعبہ اور مکمل صفائی کا خیال کرو، بے موقع اور قابلِ احترام چیزوں سے ضرورت پوری کرکے لوگوں کو تکلیف مت پہنچاؤ اور اپنے آپ کو مستحق ملامت مت بناؤ۔

یہی وجہ ہے کہ جب مشرکین نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاق کیا اور طنز کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے نبی تمہیں بیت الخلا کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں، تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کے نبی ہیں، بھلا جو خدا کے نبی ہوں، وہ گندگی سے متعلق باتیں کرتے ہیں؟ اور تمہیں اس کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا: ارے بے وقوفو! نبی کی تعلیم، ان کی تربیت اور فکر کی گہرائی تک تمہاری عقلوں کی رسائی نہیں ہوسکتی، پھر حضرت سلمان فارسیؓ نے بیت الخلا کے چند نبوی آداب بتائے کہ بظاہر یہ معمولی آداب معلوم ہوتے ہیں، حقیقت میں یہ آداب احترامِ کعبہ اور پاکی صفائی کے غایت درجہ اہتمام اور کسی بھی جان دار کی ایذا رسانی سے اجتناب کرنے کی ہدایات پر مشتمل ہیں، کبھی تم نے ان آداب کی حقیقت پر غور کیا؟

میں تمہارے لیے مہربان باپ ہوں

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُكُمْ. فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا، وَلَا يَسْتَطِبْ بِيَمِينِهِ، وَكَانَ يَأْمُرُ

بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، وَيَنْهَى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ.

(رواه ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب کراهية استقبال القبلة: ۸)

میں تم لوگوں کے لیے باپ کے درجے میں ہوں، جب تم میں سے کوئی استنجے کے لیے جائے، تو چاہئے کہ وہ قبلے کی طرف نہ منہ کرے نہ پیٹھ، اپنے داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم استنجے میں تین ڈھیلوں کے استعمال کا حکم دیتے تھے، لید، گوبر اور بوسیدہ ہڈیوں سے استنجا کرنے سے منع فرماتے تھے۔

آدابِ نبوی پر طنز اور اس کا حکیمانہ جواب

حضرت سلمان فارسیؓ سے چند مشرکین نے مذاق اور طنز کرتے ہوئے کہا:

قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قَالَ: فَقَالَ: أَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ، أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ.

(رواه مسلم، کتاب الطهارة، باب الاستطابة: ۲۶۲)

تمہارے نبی عجیب آدمی ہیں، وہ تمہیں بیت الخلا کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں؟ یعنی انھوں نے تم کو بے وقوف سمجھ رکھا ہے کہ معمولی معمولی باتیں بھی سکھاتے ہیں، حضرت سلمان فارسیؓ نے نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے جواب دیا، ہاں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اس حدیث میں) استنجا کرنے کی چار ضروری باتوں کی تعلیم دی ہے جہاں تک تمہاری عقلوں کی رسائی نہیں ہے۔

پہلی بات

ہم استنجا کرتے وقت کعبہ شریف کی طرف نہ منہ کریں، نہ پیٹھ۔

شریعت نے قبلہ اور کعبہ کے احترام کا حکم دیا ہے، کفار و مشرکین مکہ چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے، اس لیے ان کے دلوں میں بھی کعبے کی عقیدت، محبت اور عظمت پیوست تھی اور کعبے کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے، اس وجہ سے

اس ادب کوان کے سامنے بیان کرنا نہایت اہمیت کا حامل تھا۔

دوسری بات

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کریں، اچھے برے کاموں کے لیے ہاتھوں کی تقسیم ہونی چاہئے، تمہارے نزدیک اس کی کوئی تمیز نہیں ہے، تم داہنے ہاتھ سے استنجا بھی کرتے ہو اور اسی ہاتھ سے کھاتے بھی ہو۔

تیسری بات

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ بڑے استنجے میں کم از کم تین ڈھیلوں کا ضرور استعمال کرو، تم لوگ ایک ڈھیلے پر اکتفا کرتے ہو، خواہ جگہ صاف ہوجائے، یا نہ ہو۔

چوتھی بات

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ہم لید، گوبر اور ہڈی سے استنجا نہ کریں، (کیوں کہ لید اور گوبر خود ناپاک ہیں، وہ دوسروں کو کیسے پاک کرسکتے ہیں؟ ہڈی جنات کا خوراک اور غذا ہے، نیز چکنی ہونے کی وجہ سے اس سے مکمل صفائی بھی نہیں ہوتی۔

الغرض حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اُن مشرکین کا مذاق کا حکیمانہ جواب دیا کہ استنجا کرنے کا طریقہ بھی تعلیماتِ نبوی کا محتاج ہے، شریعت کی ہدایت کے بغیر یہ معمولی کام بھی انسان سلیقے سے کر نہیں سکتا۔

بیت الخلا جانے سے پہلے خبیث شیاطین سے پناہ طلبی

بیت الخلا اور گندگی کے مقامات شریر جنات اور شیاطین کے مرکز ہوتے ہیں اور قضائے حاجت کے وقت انسانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شریر جنات وشیاطین ستر کھلا ہونے کے وقت انسانوں سے کھیلتے اور ہنستے ہیں۔

جنات وشیاطین ہم کو دیکھتے ہیں، ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے، جب انھیں شرارت کا کوئی موقع ملتا ہے، تو شیاطین اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، ان کی شرارت سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیت الخلا جانے سے پہلے شیاطین سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا اور دعائیں سکھائی ہیں کہ جب بیت الخلا جاؤ، تو مندرجہ ذیل دعائیں پڑھو،

شیاطین کے شر ونقصان سے محفوظ رہو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضَرَةٌ، فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ، فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.

(رواہ ابو داؤد عن زید بن ارقم، کتاب الطھارۃ، باب مایقول الرجل اذادخل الخلاء: ٦)

بیت الخلا اور گندگی کے مقامات میں شیاطین وخبیث جنات رہتے ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کوئی بیت الخلا جائے، تو مندرجہ ذیل دعا پڑھ لے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.

اے اللہ! میں مذکر ومؤنث شیاطین سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

انسانوں کے ستر پر جنات کی نگاہ پڑھنے سے حفاظت کا ذریعہ یہ ہے کہ آدمی جب بیت الخلا جائے، تو، بسم اللہ پڑھے۔

سَتْرُ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ، أَنْ يَقُولَ: بِسْمِ اللهِ. (رواہ الترمذی عن علی بن طالب، باب ماذکر من التسمیۃ عنددخول الخلاء ابواب السفر: ٦٠٦)

خزرج کے مشہور سردار صحابیِ رسول حضرت سعد بن عبادہؓ قضائے حاجت کے لیے گئے، بعد میں وہیں مردہ پائے گئے، جسم سبز ہو چکا تھا، اُس وقت ایک پراسرار آواز سنی گئی کہ کوئی یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

قتلنا سيدالخزرج سعدبن عبادة   رميناه بسهمين فلم نخط فؤاده

ہم قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ پر دو تیر چلائے، وہ تیر اُن کے دل پر لگے، ہمارا نشانہ خطا نہیں ہوا۔ (الاستیعاب فی ذکر الاصحاب: حافظ ابن عبدالبر ۲/ ۲۹۹، معارف السنن ۱/ ۷۸)

قضائے حاجت سے فراغت پر مغفرت طلبی اور ادائے شکر

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ، قَالَ: غُفْرَانَكَ. (رواہ الترمذی، باب مایقول اذاخرج من الخلاء: ۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوکر بیت الخلاسے باہر آتے ،تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ''غفرانک'' اے اللہ! میں تیری مغفرت وبخشش چاہتا ہوں۔

قضائے حاجت سے فراغت کے بعد اللہ سے مغفرت طلبی کا موقع نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے مغفرت کیوں مانگی؟ اس سوال کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں۔

پہلا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے رہتے تھے؛ چوں کہ بیت الخلا میں زبانی ذکر کا موقع نہیں رہتا،تھوڑی دیر ذکر کا سلسلہ موقوف ہونے پر آپ نے استغفار فرمایا، اے اللہ یہ وقت ذکر کے بغیر گذر گیا، مجھے معاف فرما۔

دوسرا جواب

حضرت رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

قضائے حاجت کے وقت انسان اپنی نجاستوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان ظاہری نجاستوں کو دیکھ کر انسان کو اپنی باطنی نجاستوں کا استحضار کرنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ استحضار استغفار کا موجب ہوگا، اس لیے غفرانک کہنے کی تعلیم دی گئی۔

فضلات کا جسم سے نکل جانا بہت بڑی نعمت

تیسرا جواب

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

فضلات کا انسان کے جسم سے نکل جانا ،اس کی صحت وزندگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے،موجودہ دور میں جولوگ کمزور ہاضمہ کا شکار ہیں، یا پیشاب وبیت الخلا کی پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، ان کی پریشانی وبے بسی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ پیشاب کو خارج کرنے کے لیے پائپ لگا کر مریض کے ساتھ پیشاب کی تھیلی کو لگا دیا جاتا ہے، جہاں جائے، ساتھ لے کر جائے ،بسا اوقات بیت الخلا کو ناک کے راستے سے پائپ ڈال کر نکالا جاتا ہے

،انسان ڈاکٹروں کا کھلونا بن کررہ جاتا ہے،ان مصیبتوں میں مبتلا مریضوں کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی اُس عظیم نعمت کا احساس ہوتا ہے،اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے بعد اس دعا کی تلقین فرمائی ہے کہ اللہ کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کا حق ادا نہ کر نہیں سکتا،اس لیے اللہ سے مغفرت بھی طلب کرے۔

(شرح مہذب، باب الاستطابۃ ۲/۷۶)

چوتھا جواب

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

کلام عرب میں ''غفرانک'' شکر کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے،عرب حضرات کہتے ہیں: غفرانک لاکفرانک،اس توجیہ کی تائید سنن ابن ماجہ میں حضرت انسؓ کی روایت سے ہوتی ہے جس میں بیت الخلا سے نکلنے کے وقت کی دعا ان الفاظ میں مروی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذٰى، وَعَافَانِي.

(ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب مايقول اذا خرج من الخلاء: ۳۰۱)

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے گندگی کو دور کردیا اور عافیت عطا فرمائی۔

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں،جن میں سے ایک اہم نعمت یہ ہے کہ انسان غذا کا استعمال کرتا ہے،غذا کا آسانی کے ساتھ پیٹ میں جانا،غذا کا ہضم ہوجانا،مفیدِ بدن کا بدن کا جزء بن جانا اور بدن وصحت کے لیے جو چیز نقصان دہ ہو،اس کا باہر نکل جانا،یہ سب اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔(مستفاد: از درس ترمذی ۱/۱۷۹)

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اسلامی تہذیب کے خلاف

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی نہیں تھی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے،تب سے میں نے کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں

کیا۔ (ترمذی، باب النھی عن البول قائما: ۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بدسلیقگی اور گنوار پن ہے۔ (ترمذی، باب النھی عن البول قائما: ۱۴)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا، فَلَا تُصَدِّقُوهُ، مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعِدًا.

(رواہ الترمذی، باب النھی عن البول قائما: ۱۲)

جوشخص تم سے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے، تو تم اُس کی بات مت مانو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرنے کی تھی۔

عذر کی بنا پر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ، فَبَالَ عَلَيْهَا قَائِمًا الخ. (رواہ الترمذی، باب ماجاء فی الرخصة فی البول قائما: ۱۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی کوڑی پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرنے کی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر کیوں پیشاب فرمایا ہے؟

شارحینِ حدیث نے اس کی مختلف وجوہات بیان کیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی عادت کے مطابق پیٹھ اور کمر کے درد کے علاج کے طور پر کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی، کتاب الطھارة، باب البول قائما: ۴۸۹)

ب: ابن حبانؒ فرماتے ہیں:

جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا، وہاں نجاستوں کی وجہ

سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہیں تھا۔

ج: مستدرک حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمر میں درد تھا جس کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا دشوار تھا، اس لیے کھڑے ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا ہے۔

(المستدرک للحاکم، کتاب الطھارۃ:۶۴۵، ۲۹۱/۱، السنن الکبری للبیہقی، کتاب الطھارۃ، باب البول قائما:۴۸۹)

د: اکثر محدثین نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا ہے۔

(معارف السنن، باب فی الاستتار عند الحاجۃ ۱۰۸/۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ کسی شخص کو کمر، گھٹنے، پیر وغیرہ میں سخت تکلیف ہو، جس کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنے میں تکلیف ہوتی ہے، یا جگہ ایسی ہے جو نجاستوں سے بھری ہوئی ہے، اس کے علاوہ قضائے حاجت کے لیے کوئی مناسب جگہ میسر بھی نہیں ہے، نیز عوامی مقامات: بازار، کاروباری علاقے، بس اڈے، ریلوے اسٹیشن اور ایرپورٹ میں پیشاب خانے کھڑے ہوکر ہی کرنے کے بنائے جاتے ہیں، جہاں بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا، اس طرح کے مواقع اور دیگر مقامات میں شرعی اعذار اور مجبوریوں کی بنا پر کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی شرعاً اجازت ہوگی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

حضرت حذیفہؓ کی روایت سے کراہتِ تنزیہی کے ساتھ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے؛ تاہم آج کے دور میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا غیر مسلم اور فساق وفجار کا شیوہ وشعار بن چکا ہے، لہذا بلا ضرورتِ شدیدہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی بالکل اجازت نہیں ہوگی۔ (مستفاد: العرف الشذی مع الترمذی باب الرخصۃ فی ذالک ۹/۱، درس ترمذی ۱۹۹/۱)

WESTERN TOILET مغربی طرز کے بیت الخلا کا استعمال

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور شراح حدیث کی تشریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کمر یا پیٹھ میں درد، پیر میں چوٹ، بواسیر کی شدت، بہت زیادہ موٹا پا وغیرہ اعذار لاحق ہوں جن کی وجہ سے طبعی طریقے پر بیٹھ کر بڑا استنجا کرنا ناممکن، یا نہایت دشوار ہو، تو ایسے

معذورین کے لیے مغربی طرز کے بیت الخلا کا استعمال بلاکراہت درست ہوگا، عام حالات میں بلاعذر مغربی طرز کے بیت الخلا کا استعمال فساق وفجار اور مغربی تہذیب کے شیدائیوں کی عادت وشیوہ ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہ ہوگا۔

استنجے کا حکم

اگر نجاست وگندگی مخرج سے بالکل ادھر ادھر نہ لگی ہو، تو استنجا کرنا (پانی یا ڈھیلے سے صفائی کرنا) مستحب ہے، اگر نجاست مخرج سے متجاوز ہوکر اِدھر اُدھر لگ گئی ہو اور ایک درہم (نجاست جامد ہو، تقریباً چار گرام، اگر مائع مثلاً پیشاب، ہو، تو چوڑائی میں ڈیڑھ انچ) سے کم مقدار میں ہو، تو استنجا کرنا سنت ہے، نیز ڈھیلے پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے، اس حالت میں نماز پڑھے گا، تو نماز بلاکراہت ہوجائے گی، اگر ایک درہم کے بقدر ہو، تو استنجا واجب ہے، اسی حال میں نماز پڑھے گا، تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اگر ایک درہم سے زیادہ ہو، تو استنجا فرض ہے، استنجا کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

(البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، باب لانجاس، تعلیم الاسلام حصہ اول:۲۶، ۱/ ۴۱۹، تحفۃ الالمعی ۱/ ۲۲۱)

استنجے کے تین طریقے

پہلا طریقہ: ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کا اہتمام

ڈھیلے اور پانی کو جمع کرنا، یعنی پہلے ڈھیلے سے مخرج صاف کرنا، چھوٹے استنجے میں پیشاب خشک کرنا، پھر پانی سے دھونا، یہ سب سے افضل ومستحب طریقہ ہے، موجودہ زمانے میں قوی اور اعصاب کمزور ہیں، تقریباً ہر شخص کو قطرات کی شکایت ہے، لہٰذا اولاً ڈھیلے کا استعمال، یا ٹشو کا استعمال، یا اچھے طریقے سے استبرا حاصل کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنا چاہیے؛ کیوں کہ پیشاب کی بے احتیاطی کی بنا پر عذابِ قبر ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَبْعَرُونَ بَعْرًا، وَإِنَّكُمْ تَثْلِطُونَ ثَلْطًا، فَأَتْبِعُوا الْحِجَارَةَ بِالْمَاءِ.

(مصنف ابن شيبة، كتاب الطهارة، من ان يقول اذا خرج من الغائط فليستنج بالماء:

١٦٣٤،والبيهقي في السنن الكبرى ،كتاب الطهارة ،باب الجمع في الاستنجاء بين المسح بالأحجار والغسل بالماء:٥١٧)

تم سے پہلے کے لوگ مینگنیوں کی طرح بیت الخلا کرتے تھے،تم لوگ پتلا پاخانہ کرتے ہو(جس کی وجہ سے گندگی پھیل جاتی ہے،لہذا)ڈھیلے کے استعمال کرنے کے بعد پانی کا بھی استعمال کرو۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

جمہورِ امت کے نزدیک ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کرنا افضل ہے، بڑے استنجے میں اولاً ڈھیلے کے استعمال سے نجاست کم ہوجائے گی، پھر پانی استعمال کرے گا، تو تھوڑی ہی نجاست وگندگی کو صاف کرنے کے لیے ہاتھ کا استعمال ہوگا، یہ زیادہ بہتر ہے، (چھوٹے استنجے میں پیشاب کو خشک کرنے میں مدد ملے گی)۔ (معارف السنن ۱/۱۳۱)

دوسرا طریقہ: استنجے میں صرف پانی کا استعمال

چھوٹے اور بڑے استنجے میں صرف پانی کا استعمال کرنا، یہ فضیلت کا دوسرا درجہ ہے، جس کی فضیلت کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت محمد بن عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے (اہلِ قبا) پاس قبا تشریف لے آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾. (التوبۃ:۱۰۸)

(قبا بستی میں ایسے لوگ آباد ہیں جو خوب پاکی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ خوب پاکی حاصل کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں) میں تمہاری تعریف فرمائی ہے، کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے (کہ تم پاکی کے سلسلے میں کیا عمل کرتے ہو؟) اہلِ قبا نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے تو رات میں پانی سے استنجا کرنے کا ذکر پاتے ہیں (چناں چہ ہم بھی پانی سے استنجا کرتے ہیں)۔
(مسند احمد: ۲۳۸۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پانی کم یاب تھا، لوگ عام طور پر ڈھیلا استعمال کرتے تھے، بعد میں پانی کا استعمال شروع ہوا، آپ علیہ السلام نے بھی پانی سے استنجا فرمایا ہے، بعض

حضرات پانی کی قلت، یا پانی کے احترام کے خیال سے پانی سے استنجا کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اس وجہ سے حضرت عائشہؓ نے لوگوں کو پانی سے استنجا کرنے کی ترغیب دی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے عورتوں سے فرمایا:

اپنے شوہروں سے کہو کہ وہ پانی سے استنجا کریں؛ کیوں کہ یہ مسئلہ مجھے مردوں سے بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استنجے میں پانی استعمال فرماتے تھے۔

(رواہ الترمذی، باب الاستنجاء بالماء: ۲۲)

تیسرا طریقہ: استنجے میں صرف ڈھیلے/ٹشو کاغذ کا استعمال

صرف ڈھیلا، یا موجودہ زمانے میں ٹشو کاغذ کا استعمال بھی جائز ہے، کوئی شخص بیمار ہے، پانی کا استعمال نہیں کرسکتا ہے، یا صاحبِ فراش مریض ہے جو طبی عملے کی نگہداشت میں ہے، یا مریض کو بستر سے الگ کرکے پانی سے چھوٹے بڑے استنجے کی صفائی کرنا ناممکن، یا کافی دشوار ہے، یا حالتِ سفر میں پانی دست یاب نہیں، ان جیسی صورتوں میں ڈھیلے، یا ٹشو کاغذ سے اچھی طرح صفائی کرکے نماز ادا کرسکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کن چیزوں سے استنجا کرنا جائز

ہر پاک چیز جو قابلِ احترام نہ ہو اور نجاست کو زائل کرنے والی ہو، اس سے استنجا کرنا جائز ہے، خواہ پتھر ہو، مٹی کا ڈھیلا، یا استنجے ہی کے لیے تیار کیا جانے والا کاغذ (ٹشو پیپر) ہو، یا پرانا کپڑا۔

نئے اور کارآمد کپڑے، لکھنے کے کاغذ وغیرہ چیزوں سے ان کے قابلِ احترام ہونے کی وجہ سے استنجا مکروہ ہے۔

ناپاک چیز سے استنجا بھی جائز نہیں، اس لیے کہ جو خود ناپاک ہو، وہ دوسری چیز کو پاک کیسے کرے گی؟۔ (معارف السنن ۱/ ۱۱۵، البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس ۱/ ۴۱۸)

استنجے کے آداب

(۱) ہاتھ میں انگوٹھی ہو جس میں اللہ کا نام نقش ہو، یا تعویذ وغیرہ ہو جس میں اللہ کا نام ہو، یا قرآنی آیات اور دعائیں لکھی ہوئی ہوں اور اس کو لپیٹا نہ گیا ہو، یا دیگر چیزیں ہوں جن میں

اللہ کا نام یا کوئی قابلِ تعظیم چیز لکھی ہوئی ہو، تو ان کو باہر رکھ کر بیت الخلا جائے۔

(بذل المجہود ۱/۲۲۹)

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، نَزَعَ خَاتَمَهُ.

(رواه الترمذی، ابواب اللباس، باب ماجاء فی لبس الخاتم فی الخلاء: ١٧٤٦، والنسائی، کتاب الزینة: ٥٢٣١)

(۲) بیت الخلا میں کھلے سر نہ جائے، نیز ننگے پیر بھی نہ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا میں سر ڈھانک کر اور چپل پہن کر جاتے تھے۔

إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، لَبِسَ حِذَاءَهُ، وَغَطَّى رَأْسَهُ.

(روی البیهقی فی السنن الکبری مرسلا عن حبیب بن صالح، کتاب الطهارة، باب تغطیة الرأس: ٤٥٦)

إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ، غَطَّى رَأْسَهُ، وَإِذَا أَتَى أَهْلَهُ، غَطَّى رَأْسَهُ.

(روی البیهقی فی السنن الکبری باسناد ضعیف، کتاب الطهارة، باب تغطیة الرأس: ٤٥٥)

(۳) بنے ہوئے بیت الخلا میں جائے، تو اندر داخل ہونے سے پہلے مندرجہ ذیل دعا پڑھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ، وَالْخَبَائِثِ.

(۴) اگر کھلے میدان میں استنجا کرے، تو کپڑے کھولنے سے پہلے پڑھے۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ، لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ. (رواه الترمذی، باب فی الاستتار عند الحاجة: ١٤)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے، تو زمین سے قریب ہونے سے پہلے کپڑے نہیں کھولتے تھے۔

مسئلہ: اگر اندر جاتے وقت دعا بھول جائے، تو دل میں دعا پڑھے، زبان سے نہ پڑھے، بیت الخلا سے فراغت کے بعد کی دعا باہر نکل کر پڑھے۔

(۵) بیت الخلا میں بایاں پیر رکھ کر داخل ہو، جب باہر نکلے، تو اولاً داہنا پیر نکالے۔

(شرح مہذب، باب الاستطابة ۲/۷۷)

(۶) کھلے میدان میں استنجا کرے، تو لوگوں کی نگاہ سے دور جائے؛ تاکہ لوگوں کے سامنے ستر کھولنے سے حفاظت ہوسکے، اگر بنے ہوئے بیت الخلا میں استنجا کرے، تو پردے کا خاص خیال رکھے کہ کسی کی نگاہ نہ پڑے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں:

كَانَ إِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ، أَبْعَدَ.

(رواہ ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب التخلي عند قضاء الحاجة: ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے جاتے، تو (لوگوں کی نگاہ سے) دور چلے جاتے۔

مَنْ أَتَى الْغَائِطَ، فَلْيَسْتَتِرْ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا أَنْ يَجْمَعَ كَثِيبًا مِنْ رَمْلٍ، فَلْيَسْتَدْبِرْهُ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ.

(رواہ ابو داؤد عن ابی هریرة وابی سعید، کتاب الطهارة، باب الاستتار فی الخلاء: ۳۵)

جو شخص بیت الخلا جائے، اس کو چاہئے کہ پردے کا نظم کرے، اگر پردے کا کوئی نظم نہ ہو، تو ریت کو اکٹھا کر کے ایک تودے کی طرح بنالے اور اس کے اوٹ میں بیٹھ جائے، اس لیے کہ شیطان انسان کی شرم گاہوں سے کھیلتا ہے۔

(۷) استنجے کے لیے ایسی جگہ تلاش کرے جہاں استنجا کرنے سے پیشاب اور گندگی کے چھینٹے کپڑوں اور جسم پر نہ اڑیں، کھلے میدان میں استنجا کرے، تو نرم جگہ پیشاب کرے، بنے ہوئے بیت الخلا میں بیسن میں کرے، پکے فرش پر پیشاب کرے گا، تو چھینٹے اڑیں گے۔

إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُولَ، فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهِ مَوْضِعًا.

(رواہ ابو داؤد عن ابی موسی، کتاب الطهارة، باب الرجل یتبوأ لبوله: ۳)

جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرے، تو پیشاب کرنے کے لیے جگہ تلاش کرے (یعنی نرم زمین جس میں پیشاب کے قطرات کے اڑنے کا خطرہ نہ ہو، پردہ والی جگہ ہو، نشیب کی طرف چہرہ کرنے کی نوبت نہ آئے)

(۸) چھوٹے اور بڑے استنجے کے وقت قبلے کی طرف نہ منہ کرے اور نہ پیٹھ۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَتَيْتُمُ الغَائِطَ، فَلاَ تَسْتَقْبِلُوا القِبْلَةَ، وَلاَ تَسْتَدْبِرُوهَا، وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا. (رواه البخاری، کتاب الصلوة، باب قبلة اهل المدينة: ٣٩٤)

جب تم استنجا کرو، تو قبلے کی طرف نہ منہ کرو نہ پیٹھ، (مدینہ طیبہ میں قبلہ جانب جنوب میں ہے، اس لیے اہل مدینہ!) مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرو۔

(۹) استنجے کے وقت داہنے پیر کو سیدھا کھڑا کرے اور بائیں پیر پر سہارے لے، اس کیفیت سے استنجا کرنے میں سہولت بھی ہوتی ہے۔

سراقہ بن مالک بن جعشمؓ فرماتے ہیں:

عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُنَا الْخَلَاءَ أَنْ يَعْتَمِدَ الْيُسْرَى، وَيَنْصِبَ الْيُمْنَى.

(السنن الکبری للبیهقی باسناد ضعیف، کتاب الطهارة، باب تغطیة الرأس: ٤٥٧)

(۱۰) بلا ضرورتِ شدیدہ کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا، فَلَا تُصَدِّقُوهُ، مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعِدًا.

(رواه الترمذی، باب النهی عن البول قائما: ١٢)

جو شخص تم سے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے، تو تم اس کی بات مت مانو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرنے کی تھی۔

عذر کی بنا پر داہنے ہاتھ سے استنجا

(۱۱) بلا ضرورتِ شدیدہ استنجے کے لیے داہنے ہاتھ کا استعمال نہ کرے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

كَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنَى لِطُهُورِهِ وَطَعَامِهِ، وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرَى لِخَلَائِهِ، وَمَا كَانَ مِنْ أَذًى.

(رواه ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب کراهیة مس الذکر بالیمین: ٣٣)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ پاکی اور کھانے کے لیے استعمال ہوتا تھا اور بائیں

ہاتھ استنجے اور گندگی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

اگر کوئی عذر ہو، تو داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے کی بلا کراہت اجازت ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

ان کان بالیسری عذر یمنع الاستنجاء بها، جاز ان یستنجی بیمینه من غیر کراهة. (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الانجاس ۱/۴۲۱)

(۱۲) قضائے حاجت کے موقع پر شرم گاہ اور گندگی پر نگاہ نہ ڈالے، نہ آسمان کی طرف دیکھے نہ ہی اعضائے مستورہ سے کھیلے۔ (شرح المہذب، باب الاستطابۃ ۲/۹۴)

نیز تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے بھی احتیاط کرے۔ (البحر الرائق، کتاب الانجاس ۱/۴۲۲)

(۱۳) سوراخ، جانوروں اور حشرات الارض کے بلوں میں پیشاب، پائخانہ نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي الْجُحْرِ، قَالُوا لِقَتَادَةَ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ؟ قَالَ: كَانَ يُقَالُ: إِنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ. (رواه ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب النهی عن البول فی الجحر: ۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، حضرت قتادہؒ سے تلامذہ نے سوال کیا: سوراخ میں پیشاب کرنے کی کراہیت کیوں ہے؟ حضرت قتادہؒ نے فرمایا: کہا جاتا ہے کہ سوراخ جنات کے گھر ہیں (نیز حشرات الارض کا مسکن ہیں، نقصان کا اندیشہ ہے)

حمام وغسل خانے میں پیشاب کرنا وسوسوں کا سبب

(۱۴) حمام وغسل خانے میں پیشاب نہ کرے؛ کیوں کہ حمام وغسل خانے میں پیشاب کرنا وسوسوں کا سبب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَبُولَ الرَّجُلُ فِي مُسْتَحَمِّهِ، وَقَالَ: إِنَّ عَامَّةَ الوِسْوَاسِ مِنْهُ.

(رواه الترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی کراهیة البول فی المغتسل: ۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام اور غسل خانے میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ غسل خانے میں پیشاب کرنے سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

(۱۵) راستہ، سایہ دار جگہ جہاں کسی کے بیٹھنے کا امکان ہو اور پانی کے گھاٹ پر بیت الخلا نہ کرے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ: الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ، وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ، وَالظِّلِّ. (رواہ ابو داؤد، کتاب الطھارۃ، باب المواضع التی نھی النبی ﷺ عن البول فیھا: ۲۶)

تین قابل ملامت ولعنت مقامات (میں استنجا کرنے) سے احتیاط کرو، پانی کی جگہیں، راستے اور سایہ کی جگہوں میں استنجا کرنے سے احتیاط کرو۔

(۱۶) رکے ہوئے پانی میں پیشاب و پائخانہ نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ.

(رواہ مسلم، باب النھی عن البول فی الراکد: ۲۸۱)

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے غسل بھی کرے۔

ٹھہرا ہوا پانی تھوڑا ہے، تو پانی ناپاک ہوجائے گا، اگر ٹھہرا پانی زیادہ ہے، تو پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ لیکن نظافت اور انسانی شرافت کے خلاف ہے۔

(۱۷) چھوٹے اور بڑے استنجے کے موقع پر بات چیت نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو آدمی ستر کھول کر استنجا کرتے ہوئے بات چیت میں مشغول ہوں، تو اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا

يَتَحَدَّثَانِ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَمْقُتُ عَلَى ذَلِكَ.

(رواه ابو داؤد، كتاب الطهارة، باب كراهية الكلام عند الحاجة: ١٥)

دو آدمی ستر کھول کر استنجا کرتے ہوئے باتیں کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر غصہ ہوتے ہیں۔

(۱۸) بیت الخلا کے موقع پر کوئی سلام کرے، تو جواب نہ دے، چھینک آنے پر الحمد للہ نہ کہے، نہ اذان کا جواب دے، یہ تمام باتیں مکروہ ہیں۔ (شرح مہذب، باب الاستطابة ۲/۸۸)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ. (رواه الترمذی، کتاب الطهارة، باب فی کراهية رد السلام غير متوضی: ٩٠)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(۱۹) جب بیت الخلا سے فارغ ہو جائے، تو اولاً داہنا پیر باہر نکالے اور مندرجہ ذیل دعا پڑھے۔ (شرح مہذب، باب الاستطابة ۲/۷۷)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي.

(ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب مايقول اذا خرج من الخلاء: ٣٠١، صف: ٢٦)

(۲۰) بڑے استنجے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہاتھ کو مٹی پر رگڑ کر دھوئے، اگر مٹی میسر نہ ہو، تو صابون وغیرہ سے دھوئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ، أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِي تَوْرٍ أَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجَى، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ: ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ، فَتَوَضَّأَ.

(رواه ابو داؤد باب الرجل يدلك يده بالارض اذا استنجى: ٤٥)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑا استنجا فرماتے، تو میں پیتل یا چمڑے کے برتن میں پانی لے آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم استنجا فرماتے، پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑتے، پھر دوسرے

برتن میں پانی لے آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس برتن کے پانی سے وضوفرماتے۔

معلوم ہوا کہ بڑے استنجے سے فارغ ہونے کے بعد استنجے میں استعمال ہونے والے ہاتھ کو مٹی سے رگڑنا چاہئے، پھر ہاتھ کو دھونا چاہئے، اس لیے کہ پائخانے میں زہریلی اثرات ہوتے ہیں، مٹی میں نوشادرہ ہوتا ہے جس سے زہریلی اثرات زائل ہوتے ہیں، اگر مٹی موجود نہ ہو، تو صابون استعمال کرے۔

عبداللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدیٰ، بنگلور

۲؍محرم الحرام ۱۴۴۳ھ ۱۳؍اگست ۲۰۲۱ء



يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ. (الاعراف:۲۶)

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور بدن کے لیے زینت کا باعث ہے اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔

لباس اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، انسان کی فطری خواہش اور پیدائشی ضرورت ہے جو اس کے پہلے دن ہی سے اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس عظیم نعمت پر احسان جتلایا ہے۔

لباس کی اہمیت، آداب اوراس کی شرعی حدود

لباس اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، انسان کی فطری خواہش اور پیدائشی ضرورت ہے جواس کے پہلے دن ہی سے اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس عظیم نعمت پر احسان جتلایا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ. (الاعراف:۲۶)

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جوتمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور بدن کے لیے زینت کا باعث ہے اور تقوی کا لباس بہتر ہے۔

لباس انسان کی بنیادی ضرورت ہے، لباس کے دو بنیادی مقصد کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے:

(۱) ستر پوشی

(۲) آرائش بدن

دیگر جانداروں کے لیے ان کے بدن پر ہی مخصوص قدرتی لباس پہنا دیا گیا کہ وہی لباس سردی وگرمی سے ان کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہوتا ہے اور ان کے جمال وزینت کا سبب بھی، ستر پوشی کا اتنا اہتمام نہیں جتنا اہتمام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے؛ البتہ اعضائے مخصوصہ کی وضع ان کے بدن میں اس طرح رکھی گئی ہے کہ وہ بالکل کھلے نہ رہیں، کہیں دُم کے ذریعے پردہ، کہیں دوسرے طریقے سے ان کے ستر پوشی کا انتظام کیا گیا ہے، صرف انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک ہی قسم کا لباس متعین نہیں فرمایا؛ بلکہ جس قسم کا انسان لباس پہننا چاہتا ہے اسے اختیار ہے کہ وہ کسی بھی قسم کا لباس اپنی چاہت ومرضی کے مطابق شرعی حدود میں رہ کر زیب تن کرے، اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے لباس کے انتظامات بھی فرمادئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس طرح کا لباس زیب تن فرماتے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں، حجاز میں اور قریش میں رواج تھا، آپ علیہ السلام تہبند باندھتے تھے، چادر اوڑھتے تھے، کرتا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیب تن فرماتے تھے اور یہ کپڑے اکثر وبیشتر سوتی قسم کے ہوتے تھے، کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے قیمتی جبے بھی پہن لیتے تھے، جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش ونگار ہوتا تھا، اسی طرح کبھی کبھی بہت خوش نما یمنی چادریں بھی زیب تن فرماتے جو اُس زمانے میں خوش پوشوں کا لباس تھا، بعض اوقات تو دو ہزار درہم کا لباس بھی زیب تن فرماتے، اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ زبانی ارشادات وہدایات کے علاوہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے امت کو اپنے طرز عمل سے بھی یہی تعلیم دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جا سکتا ہے، ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود میں احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا پسندیدہ لباس استعمال کریں۔

دراصل لباس ایک ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقا کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں، اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو، یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہا ہو، اس لیے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے؛ البتہ ایسے اصول اور احکام دے دئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ میں سہولت اور پابندی کی جاسکتی ہے۔

(مستفاد: معارف الحدیث ۶/ ۳۰۳)

جن امور کی حرمت شرعاً ثابت نہ ہو اور وہ جمال وزینت کے قبیل سے ہوں، تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی پابندی ہے؛ البتہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان امور کے برتنے میں ریا، شہرت اور تکبر پیش نظر نہ ہو، ورنہ ان امور کی وجہ سے ان کا استعمال کرنا شرعاً ممنوع ہوگا اور جو وعید میں ریا، شہرت اور تکبر کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان

سب کا وہ شخص مستحق ہوگا۔ (روح المعانی، الاعراف: ۳۲)

اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول وضوابط بتادئے کہ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے، وہ شرعاً جائز ومباح ہے۔

لباس کے اصول وضوابط

لباس کے اصول وضوابط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وہدایات سے معلوم ہوتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لباس ساتر ہو۔

یعنی شرعاً مرد وعورت کے لیے جس حصہء بدن کو چھپانا فرض ہے، اس کو ڈھانکنے والا ہو۔ (سورۃ الاعراف: ۲۶)

(۲) اتنا تنگ، چست اور پتلا نہ ہو کہ قابلِ ستر اعضاء کی نمائش ہوتی ہو۔

رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الآخِرَةِ.

(رواہ البخاری عن ام سلمۃ، کتاب العلم، باب العلم والعظۃ باللیل: ۱۱۵)

(۳) مردوں کے لیے زنانہ لباس اور عورتوں کے لیے مردانہ لباس نہ ہو۔

لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ.

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء: ۴۰۹۸)

(۴) لباس میں بے جا اسراف نہ ہو۔

كُلُوا، وَاشْرَبُوا، وَتَصَدَّقُوا، وَالْبَسُوا مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ، أَوْ مَخِيلَةٌ. (ابن ماجه عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده، كتاب اللباس، باب لبس ماشئت: ۳۶۰۵)

لباس میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ نہ ہو

(۵) لباس میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ نہ ہو۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ، فَهُوَ مِنْهُمْ.

(ابو داؤد عن ابن عمر، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۴۰۳۱)

(۶) لباس دوسروں پر فخر اور غرور کرنے اور دوسروں کی تحقیر کے لیے نہ پہنے۔ (تقدم تخریجہ)

(۷) مردوں کے لیے کوئی کپڑا ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔

مَا أَسْفَلَ مِنَ الكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ، فَفِي النَّارِ.

(رواه البخاری عن ابی ہریرة، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین: ۵۰۷۸)

(۸) مردوں کے لیے خالص سرخ، سبز، زرد اور زعفران وکسم میں رنگا ہوا لباس نہ ہو۔

نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ، وَعَنْ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ الخ.

(ابو داؤد عن علی، کتاب اللباس، باب من کرہ: ٤٠٤٤)

إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ، فَلَا تَلْبَسْهَا.

(الثوب المعصفر۔ (رواه مسلم عن عبد اللہ بن عمرو، کتاب اللباس والزینة، باب النھی عن لبس الرجل الثوب المعصفر: ۲۰۷۷)

مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(ابو داؤد عن عبد اللہ بن عمرو، کتاب اللباس، باب فی الحمرة: ٤٠٦٩)

(۹) مردوں کے لیے خالص ریشمی لباس نہ ہو۔

إِنَّ هَذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي.

(رواه ابو داؤد عن علی، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء: ٤٠٥٧)

کپڑے پہننے کا معیار

کپڑے پہننے کا معیار کیا ہونا چاہئے کہ اسراف نہ ہو اور عمدہ کپڑا پہننے کی خواہش بھی پوری ہو جائے، اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے مکان کے سلسلے میں حدود بیان فرمائی ہیں؛ لیکن یہی حدود کپڑے کے سلسلے میں بھی منطبق ہوں گے۔

(۱) ضرورت۔

لباس انسان کی ضرورت ہے، ستر پوشی بنیادی ضرورت ہے، ستر پوشی کے بقدر لباس پہننا فرض وضروری ہے۔

(۲) آسائش۔

آسائش کہتے ہیں: راحت، آرام سکون وچین کو یعنی ایسا لباس بنائے کہ اس میں راحت وآرام کا لحاظ کیا جائے، سردی کے موسم میں گرم لباس، گرمی کے موسم میں ٹھنڈا (سوتی) لباس، سفر وحضر کے اعتبار سے مختلف لباس، عام حالات اور کام کاج کا مستقل لباس وغیرہ بنایا جائے، یہ صورت بھی جائز ہے۔

(۳) آرائش۔

یعنی زینت وخوب صورتی، یعنی ایک لباس میں آسائش کا انتظام تھا؛ لیکن اس میں کچھ خاص زیب وزینت نہیں ہے، اگر کوئی اپنی خوشی کے لیے یا اپنے گھر والوں کو خوش کرنے کے لیے اس کا اضافہ کرلے، جیسے عمدہ وقیمتی لباس، عمدہ سلائی وغیرہ، یہ تینوں صورتیں اسلام میں جائز ہیں۔

(۴) نمائش۔

یعنی دکھلاوا، عمدہ لباس اس لیے پہنے؛ تاکہ لوگ مجھے مال دار، دولت منداور معاشرے میں معزز سمجھیں، ایسا لباس پہنے جس میں شان وشوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار وتفوق مقصود ہواور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لیے پہنا جائے، یہ نمائش وریاکاری ہےاور حرام ہےاوراسی کے ساتھ غریب ونادار بندوں کی دل شکنی اوران کے مقابلے میں برتری مقصود نہ ہو۔ (مستفاد درس ترمذی ۵/۳۶۰)

لباس میں عاجزی وتواضع کا اظہار

ان اصول وحدود میں رہ کر آدمی قیمتی سے قیمتی لباس زیب تن کرے، جائز ہے، لباس بقدرضرورت ہو، یا آسائش کا ہو، ان سب کا اصل مقصد تقوی وخوفِ خدا ہے، جس کی طرف قرآن پاک میں اشارہ کیا گیا ہے جس کا ظہور اس کے لباس میں بھی ہونا چاہئے، لباس میں عاجزی وتواضع کا اظہار ہو، اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اورآپ کی زندگی ہمارے لیے نمونہ واسوہ ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت کے لیے جو ہدایات بیان فرمائی ہیں، اگران کا لحاظ کیا جائے، تو ہمارا لباس پہننا، بلاشبہ ایک عبادت شمار ہوگا۔

لباس کے آداب

(۱) جب کپڑا پہنے، تو دائیں جانب سے پہنے۔ (ترمذی ۱/۳۰۶)

(۲) جب کپڑا پہنے، تو یہ دعاء پڑھے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي هٰذَا الثَّوْبَ، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي۔

(سنن ابو داؤد، کتاب اللباس: ۴۰۲۳)

اللہ تعالی اس کے گذشتہ گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

(۳) جب نیا کپڑا پہنے تو یہ دعاء پڑھے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي، وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي پھر پرانے کپڑے کو صدقہ کردے، اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص اپنی موت وحیات میں اللہ کی ذمہ داری اور پناہ میں رہے گا۔ (رواہ الترمذی عن ابی امامۃ، کتاب الدعوات: ۳۵۶۰)

(۴) مرد وعورت، زندوں اور مردوں کے لیے سفید لباس پسندیدہ ہے۔

(رواہ الترمذی عن ابن عباس، کتاب الجنائز، باب مایستحب من الاکفان: ۹۹۴)

(۵) پائجامہ مردوں کے لیے نصف پنڈلی تک ہو، کم از کم ٹخنوں سے اوپر ہو۔

(رواہ ابوداؤد عن ابی سعید، کتاب اللباس، باب فی موضع قدر الازار: ۴۰۹۳)

(۶) میلا کچیلا نہ ہو جس سے آدمی بے وقار و بے سلیقہ معلوم ہو۔

(رواہ ابوداؤد عن جریر بن عبداللہ، کتاب اللباس، باب غسل الثوب: ۴۰۶۲)

(۷) پیوندہ زدہ لباس کو عیب اور قابل عار نہ سمجھے۔

(رواہ الترمذی عن عائشۃ، کتاب اللباس، باب فی ترقیع الثوب: ۱۷۸۰)

(۸) صلحاء کا لباس ہو۔

قال القاری: أی من شبه نفسه بالكفار مثلا فی اللباس وغيره أو بالفساق أو بالفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، فهو منهم أی فی الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، ۸/۱۵۵)

(۹) مال دار اور صاحبِ حیثیت ایسا لباس پہنیں جس سے اُن پر اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کا اظہار محسوس ہو، یہ شکر کا ایک شعبہ ہے۔

حضرت اقدس مفتی جمال الدین صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

اسلام میں زیب وزینت مطلوب ہے، حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک نام ''جمیل'' بھی ہے:

إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ. (مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ: ۹۱)

اللہ تعالیٰ سراپا جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے جمال وزینت کے اختیار کرنے کا نہ صرف جواز؛ بلکہ اس کی ترغیب بھی معلوم ہوتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا آتَاكَ اللهُ مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْكَ، وَكَرَامَتِهِ.

(رواہ ابو دؤد عن ابی الاحوص عن ابیہ، کتاب اللباس، باب فی غسل الثوب: ۴۰۶۳)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نعمتوں سے نوازتا ہے، تو اس کے اوپر نعمت کے ظاہری آثار کو بھی دیکھنا چاہتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور دل سے ان کی قدر کرنا باطنی جمال ہے، اور عمدہ کپڑے پہننا ظاہری جمال میں داخل ہے۔ (الفوئد ۱/ ۱۸۴)

یہی وجہ کہ امت کے ان اصحابِ صلاح وتقوی نے بھی جن کی زندگی میں اتباعِ سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استعمال فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ایک ہزار درہم کی چادر کا استعمال کرنا ثابت ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ چار سو دینار کی چادر استعمال فرماتے تھے اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس جیسی قیمتی چادر استعمال کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ جب عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا قاصد بنا کر خوارج (ایک فرقہ) کے پاس بھیجنے لگے؛ تاکہ ان کے شکوک وشبہات کو دور کرسکیں، تو حضرت ابن عباسؓ نے نہایت عمدہ لباس زیب تن کیا، اچھی قسم کی خوش بو لگائی اور بہترین سواری پر سوار ہو کر ان کے یہاں

پہونچے، ان لوگوں نے اپنی فطرت کے مطابق جب حضرت ابن عباس ؓ کی موجودہ حالت پر اعتراض کیا، توانہوں نے آیت ذیل کی تلاوت فرمائی:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ. (الاعراف:۳۲)

آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے۔۔۔ کس شخص نے حرام کیا ہے؟

حضرت حسن ؓ جب نماز کے لیے تشریف لے جاتے، تو عمدہ اور قیمتی لباس پہنے کا اہتمام فرماتے تھے، جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی، تو فرمایا! یہ خدا کے دربار میں حاضری کا وقت ہے، خدائے تعالیٰ اور اس کے دربار (مسجد) کی عظمت کا تقاضا ہے کہ زیب وزینت والے لباس کو پہن کر حاضر ہوا جاوئے، پھر فرمایا کہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (الاعراف:۳۱)

تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

(ڈاڑھی اور مونچھ بنانے کے آداب واحکام:۶، ۷)

(۱۰) غریب ونادار لوگ ایسا لباس پہنیں جس سے صورتِ سوال پیدا نہ ہو، جیسے زبانِ قال سے سوال ناجائز ہے، اسی طرح زبان حال سے بھی ناجائز ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: أَتَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَأَى رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهُ، فَقَالَ: أَمَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ شَعْرَهُ؟ وَرَأَى رَجُلًا آخَرَ، وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ، فَقَالَ: أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ مَاءً يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ.

(رواه ابو دؤد، كتاب اللباس، باب في غسل الثوب: ٤٠٦٢)

(۱۱) ایسا لباس پہنیں جس میں عاجزی وتواضع کا اظہار ہو۔

مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، قَالَ بِشْرٌ: أَحْسِبُهُ قَالَ تَوَاضُعًا، كَسَاهُ اللهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ.

(رواه ابو داؤد، كتاب الادب، باب من كظم غيظا: ٤٧٧٨)

(۱۲) اپنی فقیری ودرویشی کی نمائش کے لیے ایسے کپڑے پہنیں جن سے لوگ اُن کو

پہچانیں اور فقیر ودرویش سمجھیں، یہ بھی جائز نہیں ہے۔

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ، أَلْبَسَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَوْبًا مِثْلَهُ. زَادَ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ ثُمَّ تُلَهَّبُ فِيهِ النَّارُ.

(رواه أبو داؤد، عن ابن عمر، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ٤٠٢٩)

مسائل

مسئلہ: مردوں کے لیے مخلوط ریشمی لباس جس کا تانہ ریشمی ہو اور بانہ غیر ریشمی ہو اعذار کی صورت میں جائز ہے۔

مثلاً کپڑوں یا سر میں جوئیں پڑ گئیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مذکوہ صورت میں اجازت دی تھی۔

(رواہ مسلم عن انس بن مالک، کتاب اللباس والزینۃ، باب فی اباحۃ لبس الحریر: ۲۰۷۶)

مسئلہ: مردوں کے لیے بلا عذر بھی چار انگل کے بقدر قمیص وغیر میں ریشم کا استعمال کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

مسئلہ: جو لباس مردوں وعورتوں کو پہننا ناجائز ہے، اس کو بچوں اور بچیوں کو پہنانا بھی ناجائز ہے، پہنانے والا گنہگار رہوگا۔

کوٹ پتلون اور شرٹ پہننے کا حکم

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

جہاں تک کوٹ پتلون کے پہننے کا تعلق ہے، تو چوں کہ اب دنیا بھر میں اس کا رواج اور شیوع اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ اس میں ''تشبہ'' کی شان مغلوب ہوگئی ہے، اس لیے تشبہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو حرام کہنا ممکن نظر نہیں آتا؛ البتہ شریعت نے لباس کے جو اصول بیان فرمائے ہیں، ان کا پایا جانا ضروری ہے، مثلاً وہ لباس ساتر ہو، مرد کے لیے ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، اگر وہ پتلون اتنی چست ہے کہ اعضائے عورت کی ہیئت ظاہر ہو رہی ہے، یا ٹخنوں سے نیچے ہے، تو ایسی پتلون پہننا ناجائز ہے؛ لیکن چوں کہ اس کے پہننے سے انگریزوں سے مشابہت ہو جائے گی، اس لیے کراہت سے خالی نہیں ہے، لہٰذا حتی الامکان پرہیز ہی کرنا چاہئے؛ البتہ کوئی

ملازمت کی مجبوری سے پہنتا ہے اور دل میں برا سمجھتا ہے، تو پھر امید ہے کہ ان شاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی بشرط یہ کہ شرعی حدود کے ساتھ ہو۔ (درس ترمذی ۵/ ۳۳۲ باختصار یسیر)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

کوٹ پتلون ہندوستان میں پہننا حرام تو نہیں رہا؛ البتہ صلحاء کا شعار نہیں، اس لیے بچنا چاہئے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۲۶۰ ادارہ صدیق)

جس لباس کا سنت میں ذکر نہ ہو اور اس کو صلحاء نے اختیار کیا ہو، کفار اور فساق کا شعار نہ ہو، وہ بھی شرعی لباس ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۲۵۴)

کتبہ العبد الضعیف عبد اللطیف قاسمی
محرم الحرام ۱۴۳۳ھ، ۲۹/ نومبر ۲۰۱۱ء



حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ، لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّي، فَسَأَلَ اللّٰهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ.

(رواه البخاری، کتاب الطلاق، باب الاشارة فی الطلاق والامور: ٥٢٩٤)

جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسنِ اتفاق سے اُس خاص گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ سے مانگنے کی توفیق مل جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں۔

جمعہ کے دن کی سنتیں

جمعہ کا دن نہایت متبرک، سید الایام اور یوم المزید کی ایک شان دار مثال ہے، آخرت میں ایک دن ہے جس کو "یوم المزید" کہا جاتا ہے، جس میں جنتیوں کو ہفتے میں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی زیارت وملاقات کا موقع دیا جاتا ہے، میدانِ مزید میں بندوں پر اللہ کی تجلیات، انوارات اور رحمتوں وبرکتوں کا خاص نزول ہوتا ہے، میدانِ مزید کی حاضری کے بعد جنتیوں کے چہروں پر ایک خاص نور ظاہر ہوگا۔

جمعہ کا دن دنیا میں اسی کی شان دار مثال ہے، ایمان والا صبح ہی سے خصوصی اعمال، پاکی صفائی، غسل، خوش بو، عمدہ لباس زیب تن کرنے کے بعد جامع مسجد میں دو رکعت شکرانہ ادا کرنے کے لیے جاتا ہے، نمازِ جمعہ میں بطور خاص فرشتوں کو استقبال اور حاضری کے خصوصی اندراج کے لیے متعین کیا جاتا ہے۔

جب خطیب منبر پر تشریف لے جاتے ہیں، تو فرشتے بھی اپنا رجسٹر بند کر کے خطیب کے خطبے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، گویا نمازِ جمعہ ایک ایسی خاص نماز ہے جس میں فرشتے پورے اہتمام سے بندوں کے ساتھ عبادت میں شامل ہوتے ہیں۔

عبادت کے لیے جمعہ کے دن کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت

رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا:

أَضَلَّ اللهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا. فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ، وَكَانَ لِلنَّصَارَى يَوْمُ الْأَحَدِ، فَجَاءَ اللهُ بِنَا، فَهَدَانَا اللهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ، وَالسَّبْتَ، وَالْأَحَدَ، وَكَذٰلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ، وَفِي رِوَايَةٍ وَاصِلِ الْمَقْضِيُّ بَيْنَهُمْ.

(رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ﷺ، باب ھدایۃ ھذہ الامۃ لیوم الجمعۃ: ۸۵۶)

اللہ تعالیٰ نے اقوامِ عالم کا امتحان لیا، یہود سے کہا کہ تم عبادت کے لیے ایک دن منتخب کرو، جو میرے علم میں متعین ہے، انہوں نے ہفتے کے دن کا انتخاب کیا، نصاری سے کہا کہ تم میری عبادت کے لیے ایک دن مقرر کرو جس میں بجز میری عبادت کے کوئی کام نہ کرو، تو انہوں نے اتوار کے دن کا انتخاب کیا، مسلمانوں سے کہا گیا تم بھی ایک دن مقرر کرلو، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کو مقرر فرمالیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی دن ہمارے علم میں طے شدہ تھا، قیامت میں بھی یہود ونصاری ہمارے تابع ہوں گے، ہم دنیا میں سب سے آخر میں آئے اور سب سے پہلے جنت میں جائیں گے، ہمارے لیے سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا۔ (خلاصہ حدیث بالا)

جمعہ کا دن نہایت عظیم الشان دن ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دن بڑے بڑے امور دنیا میں وقوع پذیر ہوئے ہیں اور ہوں گے، جب اس دنیا کی بساط لپیٹی جائے گی، تب بھی جمعہ کے دن ہی نفخِ صور اور وقوعِ قیامت کے حالات پیش آئیں گے۔

جمعہ کے دن کی ساعتِ اجابت

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ، لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّي، فَسَأَلَ اللهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ.

(رواه البخاري، كتاب الطلاق، باب الاشارة في الطلاق والامور: ٥٢٩٤)

جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسنِ اتفاق سے اُس خاص گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ سے مانگنے کی توفیق مل جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرماتے ہیں۔

تشریح:

جس طرح سال بھر میں رحمت وقبولیت کی ایک خاص رات شب قدر رکھی گئی ہے، اسی طرح ہر ہفتہ جمعہ کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی ہے، اس مبارک ساعت میں کسی بندے کو اللہ سے مانگنے کی توفیق مل جائے، تو اللہ کے کرم سے قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے۔

جمعہ کی ساعتِ اجابت کی تعیین وتخصیص میں شارحینِ حدیث نے چالیس سے زائد اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے دوقول ایسے ہیں جن کا ذکراحادیث میں صراحۃً یا اشارۃً موجود ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ساعتِ اجابت امام کے خطبے کے لیے منبر پر جانے کے وقت سے نماز سے فراغت کے درمیان ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیت دعا کا خاص وقت ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ، وَفِيهِ أُهْبِطَ مِنْهَا، وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يُصَلِّي فَيَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ.

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَلَقِيتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ، فَذَكَرْتُ لَهُ هَذَا الْحَدِيثَ، فَقَالَ: أَنَا أَعْلَمُ بِتِلْكَ السَّاعَةِ، فَقُلْتُ: أَخْبِرْنِي بِهَا، وَلَا تَضْنَنْ بِهَا عَلَيَّ، قَالَ: هِيَ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، قُلْتُ: فَكَيْفَ تَكُونُ بَعْدَ الْعَصْرِ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي؟ وَتِلْكَ السَّاعَةُ لَا يُصَلَّى فِيهَا، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، فَهُوَ فِي صَلَاةٍ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: فَهُوَ ذَاكَ.

(رواہ الترمذی کتاب الجمعۃ، باب فی الساعۃ التی ترجی یوم الجمعۃ: ۴۹۱)

دنیا کے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اسی دن آپ کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن آپ کو دنیا میں اتارا گیا، اس دن ایک گھڑی ہے جس میں کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھے اور دعا کرے، تو اللہ

تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں اور مانگی ہوئی چیز عنایت فرماتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں:

پھر میری ملاقات حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ہوئی، میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی، تو انہوں نے فرمایا: میں خوب جانتا ہوں، وہ گھڑی کس وقت آتی ہے؟ میں نے کہا، مجھے بتائیں اور بتانے میں بخل نہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب آفتاب کے درمیان آتی ہے، میں نے کہا، عصر کے بعد وہ گھڑی کیسے ہوسکتی ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس گھڑی میں کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھے اور دعا کرے، تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں اور مانگی ہوئی چیز عنایت فرماتے ہیں، عصر کے بعد نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا:

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے کہ

مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ؟

جو شخص کسی جگہ میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرے، تو وہ نماز میں (حکماً شامل) ہے؟ میں نے کہا، یقیناً یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا:

اس حدیث میں بھی وہی بات ہے، یعنی اس روایت میں نماز حقیقی اور نماز حکمی دونوں ہی مراد ہیں، نماز کے انتظار میں یا نماز سے فراغت کے بعد یکسوئی کے ساتھ دعا تسبیحات وغیرہ میں مشغول رہنا بھی حکماً نماز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تجزیہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں ان دونوں قول کو نقل کرنے کے بعد اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے؛ بلکہ منشاء

صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت ؛ چوں کہ بندہ گانِ خدا کی توجہ الی اللہ، عبادت اور دعا کا خاص وقت ہے، اس لیے اس وقت میں ساعتِ اجابت کی امید کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح عصر اور غروبِ آفتاب کے درمیان نزول قضا اور تبدیل ملائکہ کا وقت ہے، اس لیے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقفے میں ہو۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ جس طرح جس مصلحت سے رمضان میں شبِ قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، اسی طرح اور اسی مصلحت کے پیش نظر جمعہ کے دن ساعتِ اجابت کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان کے اخیر عشرے بطور خاص ستائیسویں شب میں ہونے کی جانب احادیث میں اشارے آئے ہیں، ٹھیک اسی طرح جمعہ کے دن خطبہ و نماز کے وقت اور عصر تا مغرب کے وقفے میں اس کی جانب اشارے دئے گئے ہیں ؛ تا کہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعاؤں کا خصوصی اہتمام کریں۔

مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں:

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے تھے ؛ بلکہ نماز، ذکر، دعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے تھے۔ (ملخص: معارف الحدیث ۳۸۱/۳)

جمعہ کے مسنون اعمال

جمعہ سید الایام ہے، اللہ نے جمعہ کے دن کو عبادت کے لیے مقرر فرمایا اور رسول اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مبارک و مسعود موقع پر بہت سارے اعمال کرتے تھے اور امت کے لیے بھی بہت سارے اعمال کو مسنون قرار دیا ہے۔

حافظ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ''زاد المعاد فی هدی خیر المعاد'' میں جمعہ کے دن کے اعمال کو سب سے زیادہ مفصل و مرتب تحریر فرمایا۔

(۱) فجر کی نماز میں ''الم السجدۃ'' اور ''سورۃ الدھر'' کی تلاوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں ''سورہ الم السجدۃ'' اور دوسری رکعت میں ''سورۃ الدھر'' تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ، وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ سُورَةَ الْجُمُعَةِ، وَالْمُنَافِقِينَ.

(رواه مسلم، كتاب صلوة المسافرين وقصرها باب مايقرأ في يوم الجمعة: ۸۷۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نمازِ فجر میں ''سوۃ السجدۃ'' اور ''سورۃ الدھر'' پڑھا کرتے تھے اور نمازِ جمعہ میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ المافقون۔

جماعت کی نماز ہو، آدمی انفرادی طور پر نماز پڑھے، یا عذر کی بنا پر گھر میں نماز ادا کرے، ان تمام حالات میں ان سورتوں کا اہتمام کرنا چاہیے، نیز عورتوں کے لیے بھی نماز فجر میں ان سورتوں کی تلاوت سنت ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

جمعہ کے دن نماز فجر میں ان دو سورتوں کو پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مبدا اور معاد یعنی دنیا کو وجود میں لانے کے وقت سے اس کے فنا ہونے تک کے حالات، نیز قبروں سے اٹھایا جانا، میدانِ حشر میں جمع کیا جانا اور جنت و دوزخ میں داخل کیے جانے کے مضامین پر مشتمل ہیں، نیز ان سورتوں میں انسان کی پیدائش کا بھی بیان مذکور ہے اور انسان کی پیدائش جمعہ کے دن ہی ہوئی ہے، جمعہ کے دن ان سورتوں کی تلاوت میں انسان کے لیے تذکیر و نصیحت ہے۔

(۲) جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت

چوں کہ جمعہ کا دن سید الایام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانام ہیں، اس لیے اس دن بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کو خاص مناسبت ہے۔

حضرت اوس بن اوسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ قُبِضَ،

وَفِيهِ النَّفْخَةُ،وَفِيهِ الصَّعْقَةُ،فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ،فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ، قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ، وَقَدْ أَرِمْتَ- يَقُولُونَ: بَلِيتَ ؟ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ.

(رواه ابو داؤد، كتاب الصلوٰة، باب فضل يوم الجمعة: ١٠٤٧)

جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے، اسی دن میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا اور اسی میں موت اور فنا کی بے ہوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی۔

لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو؛ کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کی وفات کے بعد ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا؟ آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں، زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی)۔

تشریح:

اس حدیث میں جمعہ کے دن واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کے ذکر سے جمعہ کی اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید فرمایا گیا کہ اس مبارک وقابلِ احترام دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہیے، گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوتِ قرآن ہے، رمضان کو تلاوتِ قرآن سے خاص مناسبت ہے، سفرِ حج کا خاص وظیفہ تلبیہ ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ درود شریف کی کثرت ہے۔ (معارف الحدیث ۳/۸۷ ملخصاً)

ایمان والوں کو دنیا وآخرت کی جو بھی نعمتیں ملتی ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ملتی ہیں، آخرت میں یوم المزید میں مزید خصوصی وعظیم نعمتیں حاصل ہوں گی، دنیا میں اس کی مثال جمعہ کا دن ہے، لہٰذا جمعہ کے دن بکثرت درود پڑھنا اس اعتبار سے بھی افضل ہوا۔ (زاد المعاد، فصل فی خواص الجمعۃ ۱/۱۷۲)

علامہ سخاویؒ نے حضرت زین العابدینؒ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت

سے درود بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے۔

نیز علامہ سخاویؒ نے ''قوت القلوب'' سے نقل کیا ہے کثرت کی ادنی مقدار تین سو ہے۔

حضرت اقدس رشید احمد گنگوہیؒ اپنے متوسلین کو تین سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔ (فضائل درود:۱۶)

بعض ضعیف روایتوں میں جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی صراحت وفضیلت وارد ہوئی ہے۔

جمعہ کے دن بعض مخصوص قسم کے درود مخصوص فضائل کے ساتھ نہایت ضعیف روایات سے مروی ہیں، جن کے بارے میں حافظ سخاوی نے فرمایا کہ جن کی اصل مجھے معلوم نہیں ہے، بہر حال جمعہ کے دن مطلقاً درود شریف کی کثرت مروی ہے، لہٰذا درود کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

(۳) ''سورۃ الکہف'' کی تلاوت

جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کرے، اس کے قدم سے لے کر آسمان کی بلندی تک ایک نور پیدا ہوگا جو قیامت کے دن روشنی دے گا، پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الکہف)

حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب ''مختارہ'' میں حضرت علی کرمہ اللہ وجہہ سے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کرے گا، اس کو آٹھ روز تک ہر اُس فتنے سے محفوظ رہے گا جو اس ہفتے میں پیش آئے گا، اگر دجال نکل آئے، تو بھی اس کے فتنے سے بچا رہے گا۔ (المختارۃ:۴۲۹، تفسیر ابن کثیر، سورۃ الکہف)

علماء نے فرمایا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص سورۃ الکہف کی تلاوت کرے گا، وہ اس سورت کی برکت سے تمام دینی اور دنیوی فتنوں سے محفوظ رہے گا، دجال کے ظہور سے ایمان وکفر کا فتنہ پیش آئے گا، جب اللہ تعالیٰ کفر سے حفاظت فرمائیں گے، تو دیگر صغیر وکبیرہ گناہوں سے بھی بچائیں گے، دجال کے فتنے سے حفاظت فرمائیں گے، تو دجال کے چیلوں کے فتنوں سے بھی بچائیں گے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کی حفاظت فرمائی، ان کے ایمان کی حفاظت فرمائی اور اس زمانے کے دجالوں سے بچایا، اسی طرح جمعہ کے دن ''سورۃ الکہف'' کی تلاوت کرنے والوں کی حفاظت فرمائیں گے، جس میں گناہوں سے حفاظت، شیاطین الانس والجن سے حفاظت بھی شامل ہے۔

(۴) جمعہ کے دن خط بنوانا اور ناخن تراشنا

حضرت ابوہریرہؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے۔

كَانَ يُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ ،وَيَقُصُّ شَارِبَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

(مجمع الزوائد، کتاب الصلوۃ، باب الاخذ من الشعر والظفر یوم الجمعة: ۳۰۳۶)

مونچھوں کو چھوٹا کرنا سنت ہے، چھوٹا کرنے میں مبالغہ کر سکتے ہیں؛ البتہ مونچھوں کو تراشنا منع ہے، امام مالکؒ مونچھوں کو مونڈنے والے کو سزا دینے کے قائل ہیں، مونچھوں کو مونڈنا مثلہ ہے، احناف کے نزدیک بھی ایک قول بدعت کا ہے۔

لہٰذا احتیاط یہی ہے کہ مونچھوں کو تراشنے میں خوب مبالغہ کیا جاسکتا ہے، تراشنے سے احتراز کیا جانا چاہئے۔ (ملخص ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ۱۳۱، حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ)

ناخن تراشنے کا طریقہ

ناخن تراشنے کی کوئی مخصوص ترتیب احادیث میں وارد نہیں ہوئی ہے؛ البتہ داہنی جانب سے تراشنا مستحب ہے، علامہ نوویؒ اور امام غزالیؒ نے یہ ترتیب لکھی ہے کہ اولاً ہاتھوں کے ناخن تراشیں اور ہاتھوں میں اولاً دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی، پھر درمیانی، پھر بنصر پھر خنصر کے ناخن کاٹنے کے بعد دائیں ہاتھ کا انگوٹھے کا ناخن تراشے، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے، دائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور بائیں پیر کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔

ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

المستحب ما ذكره النووي، واختاره الغزالي -رحمهما الله- في الإحياء، وهو أن يبدأ باليدين قبل الرجلين، فيبدأ بمسبحة يده اليمنى، ثم الوسطى، ثم البنصر، ثم الخنصر، ثم الإبهام، ثم يعود إلى اليسرى، فيبدأ بخنصرها، ثم ببنصرها إلى آخرها، ثم يبدأ بخنصر الرجل اليمنى، ويختم ببنصر اليسرى، وفي القنية: إذا قلم أظافيره أو جز شعره ينبغي أن يدفن قلامته، فإن رمى به، فلا بأس، وإن ألقاه في الكنيف أو المغتسل، يكره.

(مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل: ٤٤٢٠)

جمعہ سے متعلق جو روایات وارد ہوئی ہیں، ان میں پاکی صفائی کا خاص اہتمام کا ذکر ہے، علمائے کرام نے فرمایا: اس میں بغل اور زیر ناف کے بالوں کی صفائی بھی شامل ہے۔

بغل کے بال اکھاڑنا اور مونڈنا دونوں جائز ہیں؛ البتہ اکھاڑنا افضل ہے۔

ناخن اور بالوں کی صفائی کے بعد ان کو کسی جگہ دفن کر دینا مستحب ہے۔

نوٹ: ناپاکی کی حالت میں بال کاٹنا اور ناخن تراشنا مکروہ ہے۔

(۵) جمعہ کے دن غسل

جمعہ کے دن نماز کے لیے جانے سے پہلے غسل کرنا مسنون ہے، اس لیے کہ غسل سے اصل مقصود جسم سے پسینہ وغیرہ کی بدبو کو زائل کرنا ہے؛ تاکہ مسجد میں پسینے کی بدبو نہ ہو اور مسلمانوں اور فرشتوں کو تکلیف نہ ہو، یہ غسل واجب نہیں؛ بلکہ مسنون ہے۔

بعض حضرات غسل کو جمعہ کے دن سنت قرار دیتے ہیں؛ اس لیے فجر کے بعد بھی غسل کرنے سے سنت اداء ہوجائے گی؛ لیکن راجح قول کے مطابق غسل نماز کے لیے سنت ہے، اس لیے جمعہ سے قریب ترین وقت میں غسل کرنا سنت ہے؛ تاکہ اسی غسل سے جمعہ ادا کرے۔

ثم هذا الغسل للصّلاة عند أبي يوسف -رحمه الله- هو الصحيح لزيادة فضيلتها على الوقت، واختصاص الطهارة بها، وفيه خلاف

الحسن بن زیاد. (هدایه ۱/۳۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسلِ جمعہ کی ترغیب اور خاص تاکید فرمائی ہے لازم نہیں فرمایا ہے، جن روایات سے لازم اور واجب ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ ابتدائے اسلام کی روایات ہیں۔

إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الجُمُعَةَ، فَلْيَغْتَسِلْ. (رواه البخاری عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ، کتاب الجمعة، باب فضل الغسل یوم الجمعه: ۸۷۷)

جب تم میں سے کوئی نمازِ جمعہ پڑھنے آئے، تو اسے چاہئے کہ وہ غسل کرے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ، فَهُوَ أَفْضَلُ.

(ترمذی، کتاب الجمعة، باب فی الوضوء یوم الجمعة: ۴۹۷)

جس نے جمعہ کے دن وضو کیا، تو اس نے سنت پر عمل کیا اور یہ اچھی بات ہے اور جس نے غسل کیا، تو یہ افضل ہے۔

حضرت عکرمہ کہتے ہیں:

عراق کے کچھ لوگ ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے ابن عباس! کیا جمعہ کے روز غسل کو آپ واجب سمجھتے ہیں؟ آپ نے کہا: نہیں؛ لیکن جو غسل کرے، اس کے لیے بہتر اور پاکیزگی کا باعث ہے اور جو غسل نہ کرے، اس پر واجب نہیں ہے،، میں تم کو بتاتا ہوں کہ غسل کی ابتداء کیسے ہوئی: لوگ پریشان حال تھے، اون پہنا کرتے تھے، اپنی پیٹھوں پر بوجھ ڈھوتے تھے، ان کی مسجد بھی تنگ تھی، چھت نیچی تھی، بس کھجور کی شاخوں کا ایک چھپر تھا۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی کے دن نکلے، لوگوں کو اونی کپڑے پہننے کی وجہ سے بے حد پسینہ آیا؛ یہاں تک کہ ان کی بدبو پھیلی اور اس سے ایک دوسرے کو تکلیف ہوئی، تو جب یہ بو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسوس ہوئی، تو آپ نے فرمایا: لوگو! جب جمعہ کا آیا کرے، تو تم غسل کرلیا کرو اور اچھے سے اچھا تیل اور جو خوش بو میسر ہو، لگایا کرو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو وسعت دی، وہ لوگ غیر اونی کپڑے پہننے لگے، خود کو محنت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، ان کی مسجد بھی کشادہ ہوگئی اور پسینے کی بو سے ایک دوسرے کو جو تکلیف ہوتی تھی، اس کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔

(سنن ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ: ۳۵۳)

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی روایات وآثار بھی اس باب میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں؛ بلکہ مسنون ہے۔

(۶) مسواک

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ: الْحَيَاءُ، وَالتَّعَطُّرُ، وَالسِّوَاكُ، وَالنِّكَاحُ.

(ترمذی، باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیه، رقم: ۱۰۸۰)

چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں حیا، خوش بو، مسواک اور نکاح۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَتْ عَائِشَةُ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ. (رواہ البخاری تعلیقا، کتاب الصوم، باب سواك الرطب والیابس للصائم، والنسائی موصولا، کتاب الطھارۃ، باب الترغیب فی السواك: ۵)

مسواک منہ کی پاکی صفائی کا ذریعہ ہے، رب کی خوش نودی حاصل کرنے کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مسواک فرماتے کہ مسوڑھوں کے زخمی ہونے کا خطرہ پیدا ہوجاتا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ.

(رواہ البخاری، کتاب التمنی، باب مایجوز من اللو: ۷۲۴۰)

اگر میری امت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہوتا، تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

چوں کہ مسواک کولازم کردینے سے امت مشقت میں مبتلا ہوسکتی ہے کہ مسواک میسر نہ ہو، موجودہ زمانے میں شہروں میں مسواک قدرے مہنگی ہوگئی ہے، پیسے کی سہولت نہ ہو، یہ دنیوی مشقت ہے، غفلت یا سستی ہوگئی، ایسی صورتوں میں مسواک ترک کردینے کی وجہ سے گناہ لازم آئے گا، یہ اخروی مشقت ہے۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سُوْكُوا، فَإِنَّ السِّوَاكَ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ، مَا جَاءَنِي جِبْرِيلُ إِلَّا أَوْصَانِي بِالسِّوَاكِ، حَتَّى لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيَّ، وَعَلَى أُمَّتِي، وَلَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَفَرَضْتُهُ لَهُمْ، وَإِنِّي لَأَسْتَاكُ حَتَّى لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ أُحْفِيَ مَقَادِمَ فَمِي.

(ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب السواك: ۲۸۹)

مسواک کیا کرو کہ منہ کی صفائی کا ذریعہ اور رب کی خوش نودی کا باعث ہے، جب بھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے، تو مجھے مسواک کا حکم دیا؛ یہاں تک کہ مجھ پر اور میری امت پر مسواک کی فرضیت کا اندیشہ ہونے لگا، اگر میری امت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ مجھے نہ ہوتا، تو میں ان پر مسواک کو لازم کردیتا، میں اتنی کثرت سے مسواک کرتا ہوں کہ مجھے اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ میرے منہ کا اگلا حصہ کثرتِ مسواک کی وجہ سے زخمی ہوجائے گا۔

مسواک کے فضائل اور فوائد بے شمار ہیں، لہٰذا دیگر ایام میں مسواک کا جس قدر اہتمام کیا جاتا ہے، اس سے زیادہ اہتمام جمعہ وعیدین میں کرنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جمعہ کے موقع پر فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيداً، فَاغْتَسِلُوا، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيبٌ، فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ.

(ابن ماجة، كتاب اقامة الصلوة، باب ماجاء فی الزينة يوم الجمعة: ۱۰۹۸)

اے مسلمانو! جمعہ کے دن کو اللہ نے عید کا دن بنادیا ہے، لہٰذا اس میں غسل کرو، جس کے پاس خوش بو ہو، وہ خوش بو کا استعمال کرے اور مسواک کا خصوصی اہتمام کرے۔

(۷) خوشبو کا استعمال

حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں خوش بو بھی شامل ہے، جیسا کہ گذشتہ روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهُ.

(سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب استحباب الطیب: ٤١٦٢)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سُکَّۃ (عطر کی ڈبی) تھا، اُس میں سے خوش بو استعمال فرماتے تھے۔

خوش بو آدمی کی طبیعت میں فرحت ونشاط اور چستی پیدا کرتی ہے، خوش بو کے ذریعے آدمی کو ایک خوش گوار احساس ہوتا ہے، بدبو سے طبیعت میں سستی وکاہلی اور گھٹن پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ حسامی اپنی کتاب ''اسلام اور جدید میڈیکل سائنس'' میں رقم طراز ہیں:

''معطر ہوائیں اور عطر بیز فضائیں روحِ انسانی کے لیے غذا کا کام کرتی ہیں، روح اور قوی کے لیے سرمایۂ حیات ہیں، خوش بو سے روح میں توانائی پیدا ہوتی ہے، جس سے دماغ کو کیف اور اعضائے باطنی کو راحت نصیب ہوتی ہے، خوش بو سے نفس کو سرور اور روح کو انبساط حاصل ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں خوش بو روح کے لیے حد درجہ خوش گوار اور خوب تر چیز ہے، خوش بو اور پاک روحوں میں گہرا تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ اطیب الطیبین (سب سے زیادہ خوش بودار اور پاکیزہ) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی چیزوں میں سے ایک چیز خوش بو بہت زیادہ محبوب تھی۔'' (اسلام اور جدید میڈیکل سائنس،:۱ ۵۳، ط: دار المطالعہ، حاصل پور)

خوش بو کے مذکورہ فوائد اور خوبیاں نماز جمعہ کے لیے نہایت موزوں ومناسب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوش بو کا معمول تھا، امت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دی، بطور خاص جمعہ وعیدین میں اس کی خاص تاکید فرمائی ہے، اس لیے کہ جمعہ وعیدین میں مسلمان کا اجتماع ہوتا ہے، بدبو سے ملائکہ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچ سکتی ہے، نیز خوش بو کا استعمال نہ کرنا سستی وعدم نشاط کا سبب بن سکتا ہے، لہٰذا جمعہ وعیدین میں بطور خاص خوش بو کا اہتمام کرنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جمعہ کے موقع پر فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللهُ عِيداً، فَاغْتَسِلُوا، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيبٌ ،فَلاَ يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ. وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔ (ابن ماجة، كتاب اقامة الصلوة، باب ماجاء في الزينة يوم الجمعة:۱۰۹۸)

اے مسلمانو! جمعہ کے دن کو اللہ نے عید کا دن بنا دیا ہے، لہٰذا اس میں غسل کرو، جس کے پاس خوش بو ہو، وہ خوش بو کا استعمال کرے اور مسواک کا خصوصی اہتمام کرے۔

(۸) نمازِ جمعہ کے لیے اچھے کپڑوں کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا عَلَى أَحَدِكُمْ لَوِ اتَّخَذَ ثَوْبَيْنِ لِجُمُعَتِهِ سِوَى ثَوْبَيْ مَهْنَتِهِ.

(رواه مالك، كتاب السهو، الهيئة وتخطى الرقاب:۳۶۶)

تم میں سے کسی شخص کو اگر وسعت حاصل ہو، تو اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ روزہ مرہ کے کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ نمازِ جمعہ کے لیے مستقل ایک خاص جوڑا رکھے۔

(۹) نماز جمعہ کے لیے جلد جانا

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ،وَقَفَتِ الْمَلاَئِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُونَ الأَوَّلَ، فَالأَوَّلَ، وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ، طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ.

(رواه البخاری، كتاب الجمعة، باب الاستماع الى الخطبة:۹۲۹)

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے رہتے ہیں، زوال کے بعد سب سے پہلے آنے والے کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، دوسرے نمبر پر آنے والے کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو گائے کی قربانی کرتا ہے، پھر اس کے

بعد آنے والے کی مثال اُس شخص کی ہے جو مینڈھا اللہ کے حضور پیش کرتا ہے، اس کے بعد جو آئے، اُس کی مثال مرغی کی قربانی دینے والے کی ہے، اس کے بعد جو آئے اس کی مثال، اللہ کے لیے انڈا صدقہ کرنے والے کی ہے، جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے، تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر کو لپیٹ کر خطبہ سننے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں جلد نماز جمعہ کے لیے مسجد حاضر ہونے کی کوشش کرنی چاہئے؛ تاکہ ہمیں زیادہ اجروثواب حاصل ہو۔

(۱۰) نمازِ جمعہ

نماز جمعہ اسلام کے مؤکد فرائض میں سے ہے، اگر کوئی شخص بلا عذر جمعہ ترک کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر (حق کو قبول نہ کرنے اور نیک اعمال کی توفیق کے مسدود ہوجانے کی) مہر لگا دیتے ہیں، نماز جمعہ کی فضیلت اور اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔

(۱۱) خطبہ شروع ہو، تو غور سے سنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ، فَلاَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الأُخْرَى.

(رواہ البخاری عن سلمان، کتاب الجمعہ، باب الدھن یوم الجمعۃ: ۸۸۳)

مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ، وَمَسَّ مِنْ طِيبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَلَمْ يَتَخَطَّ أَعْنَاقَ النَّاسِ، ثُمَّ صَلَّى مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ، ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ، كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ جُمُعَتِهِ الَّتِي قَبْلَهَا - قَالَ: وَيَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: زِيَادَةٌ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَيَقُولُ: إِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا.

(ابو داؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ وابی سعید رضی اللہ عنہ، کتاب الطہارۃ، باب فی الغسل یوم الجمعۃ: ۳۴۳)

جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے، پاکی صفائی کا اہتمام کرے، خوش بو اور خوش بودار تیل لگائے، پھر نماز جمعہ کے لیے مسجد جائے، دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے (دوسری روایت میں ہے کہ گردنوں کو پھاندتے ہوئے آگے نہ بڑھے) پھر اللہ جتنی توفیق دے، نماز پڑھے، جب خطیب خطبہ دے، تو غور سے سنے، تو دو جمعوں کے درمیان اُس شخص سے جو گناہ ہوئے ہیں، ان کو معاف کر دیا جائے گا۔

اس روایت میں جمعہ کے اہتمام پر دس دنوں کے گناہوں کے کفارے کی بشارت سنائی گئی ہے۔

(۱۲) نماز جمعہ میں مسنون قراءت

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ، وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ: وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ، وَالْجُمُعَةُ، فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ، يَقْرَأُ بِهِمَا أَيْضًا فِي الصَّلَاتَيْنِ.

(رواه مسلم، كتاب صلوة المسافرين وقصرها، باب مايقرأ في صلوة الجمعة: ۸۷۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور نمازِ جمعہ میں ''سورۃ الاعلیٰ'' اور ''سورۃ الغاشیہ'' کی تلاوت کرتے تھے، اگر کبھی عید اور جمعہ ایک ہی دن آجاتے، تو عید اور جمعہ کی دونوں نمازوں میں ان ہی دو سورتوں کی تلاوت فرماتے۔

عبید اللہ بن ابی رافعؓ مولی رسول اللہ کہتے ہیں:

اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ، وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ، فَصَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ، وَفِي السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ: إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ، قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَأَدْرَكْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ: تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ كَانَ عَلِيٌّ يَقْرَأُ بِهِمَا بِالْكُوفَةِ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقْرَأُ بِهِمَا. (رواه مسلم، والترمذی، باب فی القراءة فی صلوة الجمعة: ۵۱۹)

ایک مرتبہ ''مدینہ منورہ'' کے گورنر مروان حضرت ابو ہریرۃؓ کو اپنا نائب بنا کر ''مکہ المکرمہ'' چلے گئے، حضرت ابو ہریرۃؓ نے نمازِ جمعہ کی امامت فرمائی اور ''سورۃ الجمعہ'' اور ''سورۃ المنافقون'' کی تلاوت کی، میں نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے ملاقات کی اور عرض کیا، آپ نے نمازِ جمعہ میں وہی سورتیں پڑھیں جنہیں ''کوفہ'' میں (خلافت کے زمانے میں) حضرت علیؓ پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ جمعہ میں ان سورتوں کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ (اس لیے میں نے اور حضرت علیؓ نے بھی تلاوت کی ہے)

حافظ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

مذکورہ سورتوں کو مکمل پڑھنا چاہیے، سورت کا بعض حصہ پڑھنے سے سنت ادا نہیں ہوگی، جیسا کہ بعض جاہل ائمہ کرتے ہیں۔

ایک قابل غور بات

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں خطیب حضرات بیانات میں پوری طاقت کا مظاہرہ ضرور کرتے ہیں، بیانات بھی خاصے طویل ہوتے ہیں؛ لیکن عربی خطبات اور نمازِ جمعہ سنت کے موافق نہیں ہوتی، سارا وقت مقامی زبانوں میں بیانات میں صرف ہوتا ہے، لہٰذا اختصار کی ساری کوشش عربی خطبہ اور نمازِ جمعہ میں ہوتی ہے، نتیجۃً نمازِ جمعہ میں عموماً نہ مسنون قراءت کا اہتمام ہوتا ہے نہ مسنون خطبے کا۔

لہٰذا ائمہ مساجد، خطباء حضرات اور ذمہ داران مساجد سے پر خلوص گزارش ہے کہ نمازِ جمعہ اسلام کے شعائر میں سے ہے، خدا کے واسطے اس کو سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش اور انتظام کریں، امت کے ذمہ دار اور امت کے رہنما سنتوں کو زندہ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، تو احیائے سنت کی امید کس سے لگائی جائے گی؟

(۱۳) نمازِ جمعہ سے پہلے صدقے کا اہتمام

حافظ ابن تیمیہؒ جب نمازِ جمعہ کے لیے نکلتے، تو گھر میں جو چیز میسر ہوتی، اس کو ساتھ لیتے، راستے میں غرباء ومساکین پر صدقہ کرتے ہوئے جاتے تھے۔

(زاد المعاد، باب فی مبدأ الجمعۃ ۱/ ۱۹۴)

(۱۴) صلوۃ التسبیح کا اہتمام

امام غزالیؒ نے فرمایا:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہر جمعہ صلوۃ التسبیح کا اہتمام فرماتے تھے۔

(احیاء علوم الدین، آداب الجمعۃ، الجزء الاول: ۲۶۶)

راقم الحروف نے اپنے استاذِ محترم شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید دار العلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبروں کو نور سے منور فرمائے۔ دیکھا ہے کہ ہر جمعہ دار العلوم دیوبند کی مسجد قدیم میں اذانِ جمعہ کے ساتھ داخل ہوتے اور خطبہ شروع ہونے تک جمعہ کی سنتوں اور صلوۃ التسبیح میں مشغول رہتے، اسی صف میں قاری عبدالحفیظ صاحب مرحوم استاذ دار العلوم دیوبند اور قاری ابوالحسن صاحب اعظمی بھی سنتوں اور صلوۃ التسبیح میں مشغول رہتے۔

نمازِ جمعہ کے لیے آنکھوں میں سرمہ لگانا سنت نہیں

آنکھوں میں سرمہ لگانا سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرمہ لگاتے تھے اور لگانے کی ترغیب بھی دیتے تھے، طاق عدد کا لحاظ کرتے ہوئے رات میں سوتے وقت سرمہ لگانا سنت ہے، آپ کو "اثمد" نامی سرمہ پسند تھا اور فرماتے کہ اس سے بصارت بڑھتی ہے اور پلکیں دراز ہوتی ہیں۔

سرمہ لگانا جمعہ یا دن کے اوقات کی سنت نہیں ہے، نیز مردوں کے لیے زینت کے خاطر سرمہ لگانا مکروہ ہے، عورتوں کے لیے جائز ہے۔ (مستفاد از قاموس الفقہ ۴/ ۵۵۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اكْتَحِلُوا بِالإِثْمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ، وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هَذِهِ،

وَثَلَاثَةً فِي هَذِهِ. (رواه الترمذی، ابواب اللباس، باب ماجاء فی الاکتحال: ۱۷۵۷)

جمعہ کے دن سفر کرنا

جمعہ کے دن جن لوگوں پر نمازِ جمعہ فرض ہے، ان کے لیے زوال سے پہلے سفر کرنا احناف کے نزدیک جائز ہے، زوال کے بعد نمازِ جمعہ ادا کئے بغیر سفر کرنا مکروہ ہے۔

بعض علماء کے نزدیک نمازِ جمعہ سے پہلے سفر بالکل جائز نہیں ہے، لہٰذا جمعہ کے دن سخت ضرورت کے بغیر سفر نہ کرے؛ تاکہ احتیاط والے پہلو پر عمل ہوجائے۔

طالب دعا:
عبداللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدی بنگلور
۲/شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۳/اپریل ۲۰۲۰ء



حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

إِنَّ أَوَّلَ مَا تَفْقِدُونَ مِنْ دِينِكُمُ الْأَمَانَةُ، وَإِنَّ آخِرَ مَا يَبْقَى مِنْ دِينِكُمُ الصَّلَاةُ، وَلَيُصَلِّيَنَّ الْقَوْمُ الَّذِينَ لَا دِينَ لَهُمْ.

(مصنف عبدالرزاق:، کتاب العیدین، باب تعاهد القرآن: ۵۹۸۱)

سب سے پہلی صفت جس کو تم دنیا سے غائب پاؤ گے، وہ امانت ہے اور دینی امور میں آخری زمانے تک نماز کو پاؤ گے، لوگ نمازیں پڑھیں گے؛ لیکن دیانت و امانت کا پاس ولحاظ نہیں کریں گے۔

امانت کی اہمیت اور حفاظت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اخلاقِ حسنہ کی تاکید فرمائی ہے اور شریعت نے جن صفات کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے، ان میں امانت بھی شامل ہے۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں ضرور امانت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ.

(رواہ احمد عن انس: ١٢٥٦٨)

جس شخص میں امانت داری نہیں، اُس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں معاہدے کی پابندی نہیں، اُس میں دین نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن پل "صراط" کی ایک جانب امانت کھڑی ہو جائے گی، دوسری جانب صلہ رحمی کھڑی ہوگی اور لوگ پل صراط پر سے گذریں گے الخ۔

(رواہ مسلم عن حذیفہ ؓ فی حدیث طویل، کتاب الایمان، باب ادنی اھل الجنۃ منزلۃ: ۱۹۵)

امانت کی حفاظت اور اس کی ادائیگی کی اہمیت مذکورہ روایت سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص امانت کی حفاظت نہیں کرتا، حقوق کی ادائیگی نہیں کرتا اور صلہ رحمی نہیں کرتا، تو امانت اور صلہ رحمی اللہ کے نزدیک شکایت کرتے ہوئے اس کو پل صراط پر ہی سے جہنم میں گرادیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامتوں کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

(رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ؓ، کتاب الایمان، باب علامات المنافق: ۳۳)

منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرتا ہے،تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرے،تو خلاف ورزی کرتا ہے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے،تو خیانت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ امانت میں خیانت مومن کی صفت ہرگز ہونہیں سکتی،مومن کی شان امانت کی حفاظت اور سامنے والے کے اعتماد واعتبار کوختم کرنے کے بجائے اس کے اعتماد واعتبار کو تقویت پہنچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی ممتاز صفات کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ. (المؤمنون:۸،المعارج:۳۲)

ایمان (کامل) والے لوگ وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی حفاظت اورنگہبانی کرتے ہیں۔

النبی الصادق الامین

قبل ازنبوت عرب کے کفر وشرک،ظلم وزیادتی ،سفاکیت اورلوٹ مار کے بدترین دور اور بدترین معاشرے میں بھی کفارعرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو''الصادق الامین'' کے لقب سے پکارا کرتے تھے،آپ کی امانت داری کی وجہ سے لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھواتے تھے،لوگوں کو بھروسہ تھا کہ آپ امانت کی مکمل حفاظت فرماتے ہیں اور آپ کے پاس امانت ضائع نہیں ہوتی۔

سفرِ ہجرت کے موقع پر لوگ آپ کے قتل وخون کے درپے تھے، اِن نازک لمحات میں بھی آپ کے پاس دشمنوں کی امانتیں تھیں اوران امانتوں کوان کے مالکوں تک پہنچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اپنا نائب بنا کر سفرہجرت پر تشریف لے گئے، یہ ہے ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امانت داری۔

(رواہ البیہقی عن عائشۃ فی السنن الکبریٰ للبیہقی، باب ماجاء فی ترغیب الامانات:۱۲۶۹۶)

دشمن بھی آپ صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت داری کے معترف اورمداح

حضرت ابوسفیانؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے شاہِ روم ہرقل کے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی صفات کو بیان کرتے ہوئے کہا:

يَأْمُرُنَا أَنْ نَعْبُدَ اللهَ وَحْدَهُ لاَ نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَيَنْهَانَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلاَةِ، وَالصَّدَقَةِ، وَالعَفَافِ، وَالوَفَاءِ بِالعَهْدِ، وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ.

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں حکم دیتے ہیں ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، ہم ان چیزوں کی عبادت نہ کریں جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے، ہمیں نماز، صدقِ حدیث، پاک دامنی، ایفائے عہد اور امانت کا پاس ولحاظ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

(رواہ البخاری عن ابن عباس فی حدیث طویل، کتاب الجہاد والسیر، باب دعاء النبی الناس: ۲۹۴۱)

آپ کے دشمن بھی آپ کی امانت داری کے معترف، مداح اور گواہ تھے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہِ حبشہ کے دربار میں اسلام کی حقانیت، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات وہدایات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پیش کرتے ہوئے آپ کی صلہ رحمی، مخلوق کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی ایفائے عہد وحفظ امانت کو بیان فرمایا تھا۔

(رواہ احمد عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فی حدیث طویل: ۱۷۴۰)

حکیم لقمان رحمہ اللہ سے لوگوں نے پوچھا

مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرَى؟ يُرِيدُونَ الْفَضْلَ. فَقَالَ لُقْمَانُ: صِدْقُ الْحَدِيثِ وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ وَتَرْكُ مَالاَ يَعْنِينِي.

(رواه مالك في الموطا مرسلا: ۳۶۲۸)

آپ اس مقام پر (فضل وکمال، حکمت کی باتوں کی توفیق وغیرہ) کیسے پہنچے، فرمایا: سچی بات چیت، امانت کی ادائیگی اور غیر ضروری امور سے احتراز کی برکت سے اللہ نے مجھے یہ مقام عطا فرمایا ہے۔

سری سقطی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جس شخص کو چار صفات: صدق حدیث، حفظِ امانت، حلال روزی اور حسن اخلاق کی دولت حاصل ہوگئیں، اس کو دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل ہوگئی۔

(شعب الایمان، آثار وحکایات فی فضل الصدق: ۴۵۵۹)

امانت دراری اور ہمارے معاشرے کی خرابی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

إِنَّ أَوَّلَ مَا تَفْقِدُونَ مِنْ دِينِكُمُ الْأَمَانَةُ، وَإِنَّ آخِرَ مَا يَبْقَى مِنْ دِينِكُمُ الصَّلَاةُ، وَلَيُصَلِّيَنَّ الْقَوْمُ الَّذِينَ لَا دِينَ لَهُمْ.

(مصنف عبدالرزاق: كتاب العيدين، باب تعاهد القرآن: ۵۹۸۱)

سب سے پہلی صفت جس کو تم دنیا سے غائب پاؤ گے، وہ امانت ہے اور دینی امور میں آخری زمانے تک نماز کو پاؤ گے، لوگ نمازیں پڑھیں گے؛ لیکن دیانت وامانت کا پاس ولحاظ نہیں کریں گے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دو حدیثیں فرمائی ہیں، ایک حدیث کا مصداق میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، دوسری حدیث کے مصداق کا انتظار کر رہا ہوں۔

امانت کی حقیقت ختم، ظاہری صورت باقی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

امانت (اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے) لوگوں کے دلوں میں اتر جائے گی، لوگ قرآن اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جانیں گے، پھر اُن پر عمل پیرا ہوں گے (صحابہ کرام کی زندگی میں اس حدیث کے مصداق کو پالیا ہے)۔

دوسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رفعِ امانت کے بارے میں) ارشاد فرمائی کہ ایک وقت آئے گا کہ امانت دنیا سے اٹھالی جائے گی، امانت کا اثر باقی رہ جائے گا، جیسے آگ کی وجہ سے کوئی زخم جسم پر آئے اور مندمل ہوجانے کے بعد جسم کے اُس حصے پر داغ کا اثر پڑ جاتا ہے، (کھال کا اصلی رنگ زائل ہوجاتا ہے اور داغ ودھبہ بہت دنوں تک باقی رہتا ہے، اسی طرح امانت کی حقیقت ختم ہوجائے گی، ظاہری آثار باقی رہ جائیں گے)۔

يُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ، فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ، فَيُقَالُ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ: مَا أَعْقَلَهُ؟ وَمَا

أَظْرَفَهُ؟ وَمَا أَجْلَدَهُ؟ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ.

(رواه البخاري عن حذيفة، كتاب الرقاق، باب رفع الامانة: ٦٤٩٧)

لوگ کاروبار کریں گے، کوئی امانت دار نہیں ہوگا، لوگ کہا کریں گے: فلاں ملک میں فلاں شہر میں فلاں بستی میں ایک امانت دار شخص رہتا ہے، (یعنی سب لوگ خائن ہوجائیں گے، خال خال ہی امانت دار پائے جائیں گے) لوگ کسی کی تعریف کرتے ہوئے کہیں گے: فلاں شخص کس قدر عقل مند اور چالاک اور باہمت ہے؛ حالاں کہ اس کے دل میں ذرہ برابر ایمان نہیں ہوگا۔

خیانت کرنے والوں پر اعتماد کیا جائے گا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ، لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا، وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، يَظْهَرُ النِّفَاقُ، وَتُرْفَعُ الْأَمَانَةُ، وَتُقْبَضُ الرَّحْمَةُ، وَيُتَّهَمُ الْأَمِينُ، وَيُؤْتَمَنُ غَيْرُ الْأَمِينِ، أَنَاخَ بِكُمُ الشَّرَفُ وَالْجُوبُ، قَالُوا: وَمَا الشَّرَفُ وَالْجُوبُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الْفِتَنُ كَأَمْثَالِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ. هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ بِهَذِهِ السِّيَاقَةِ.

(التعليق من تلخيص الذهبي: ٨٧٢٥ صحيح، واخرجه ابن حبان في صحيحه: ٦٧٠٧)

اگر تم اُن امور کو جانتے جن کو میں جانتا ہوں، تو کم ہنستے اور زیادہ روتے، پھر ارشاد فرمایا: (عن قریب ایسا زمانہ آئے گا کہ) نفاق کھل کر ظاہر ہوجائے گا، (منافقین کھل کر سامنے آئیں گے، جیسے بعض نام نہاد مسلمان یہود کے ایجنٹ کھل کر اسلام کے خلاف بولتے ہیں، اسلامی اقدار کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی اسلام دشمنی کو ترقی اور روشنِ مستقبل کا لبادہ پہناتے ہیں) امانت کو اٹھالیا جائے گا (موجودہ زمانے میں نہ حکمرانوں میں امانت نہ رعایا میں)، رحمت کو دلوں سے نکال لیا جائے گا، (لوگوں میں ہم دردی نہیں ہے، ہر ایک کو کمانے کی فکر ہے، تاجر، طبیب ہر ایک کو اپنی دنیا کی فکر لوگوں کے بے بسی، بے کسی اور محتارجگی سے ان کو کوئی لین دین نہیں)۔

امانت دار کو سازشوں سے برطرف کیا جائے گا

امانت دار پر الزام لگایا جائے گا، (سازشوں سے اس کو برطرف کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اگر یہ امانت دار شخص اپنے عہدے پر رہے گا، تو ہمیں خیانت کا موقع نہیں دے گا) خیانت کرنے والے پر اعتماد واعتبار کیا جائے گا، (خائن اپنے جھوٹے وعدوں، رشوتوں اور سازشوں سے اپنے کو امین باور کرائے گا) پھر ارشاد فرمایا: سرف اور حوب نہایت قریب ہو چکے ہیں، صحابہ نے عرض کیا، سرف اور حوب سے کیا مراد ہے؟ (اس لیے کہ سرف (فضول خرچی) اور حوب (گناہ) بظاہر مراد نہیں ہیں، اسی وجہ سے صحابہ نے دریافت کیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتنے اور آزمائشیں مراد ہیں جو تاریک رات کی طرح ہوں گے۔ (جس میں رسی اور سانپ کی پہچان مشکل ہوتی ہے، فتنوں اور آزمائشی دور میں بھی حق وباطل کی پہچان دشوار ہوجاتی ہے)۔

مذکورہ احادیث کو سامنے رکھ کر غور کریں، احادیث کا ایک ایک لفظ ہمارے بگڑے ہوئے معاشرے پر صادق آتا ہے، سماج ومعاشرے میں امانت کا پاس ولحاظ تقریباً ختم ہو چکا ہے، اپنی نجی زندگی، معاشرتی اور معاملاتی زندگی، مالی امانتیں اور ذمہ داریوں کی تقسیم اور ذمہ داریوں کی ادائیگی، غرض زندگی کے ہر شعبے میں خیانت، دھوکہ دہی اور دغابازی بہت عام ہوچکی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے مطابق نماز، روزہ اور کچھ ظاہری دین داری نظر آتی ہے؛ پر امانت داری کا پاس ولحاظ ان ظاہری دین داروں کے پاس بھی نہیں، چہ جائے کہ بے دین لوگوں سے اس کی شکایت کی جائے۔

ہمارے معاشرے میں ''امانت دار'' لوگوں کی نگاہوں میں معتوب ہوتا ہے، خائن محبوب ہوتا ہے، امانت دار پر شک کیا جاتا ہے، بھگوڑوں پر بھروسہ کیا جاتا ہے، دھوکہ باز کو چالاک سمجھا جاتا ہے، امانت دار کو بھولا بھالا اور نادان کہا جاتا ہے، دنیا کے متاعِ قلیل کے لیے ہر طرح کی امانت میں خیانت کر گذرتے ہیں، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابوہریرۃؓ کی مذکورہ حدیثیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر بار بار پڑھیں، صبحِ روشن کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں ہم پر صادق اور منطبق ہوتی ہوئی نظر آئیں گی۔

امانت کا وسیع مفہوم

لفظ ''امانت'' کے لغوی معنی ہر اُس چیز کو شامل ہے جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد و بھروسہ کیا گیا ہو۔

صاحب ''لسان العرب'' ابن منظورؒ فرماتے ہیں:

لفظ ''امانت'' امن سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے مطمئن اور مامون کرنا، امانت کو امانت اس لیے کہا جاتا ہے کہ امانت والا شخص ایذا رسانی، حق تلفی و کوتاہی، حقوق کی ادائیگی اور شی مامون کے ضائع ہونے سے متعلق امانت رکھنے والے کو مطمئن و مامون کردیتا ہے، اس وجہ سے امانت کو امانت کہا جاتا ہے۔

لفظ ''امانت'' کا استعمال اطاعت وعبادت (تکالیفِ شرعیہ)، اعتماد واعتبار اور حفاظت کے معنی میں ہوتا ہے اور احادیث میں لفظ ''امانت'' کو مذکوہ معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔

(لسان العرب، حرف النون، فصل الالف ۲۲/ ۱۳)

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

عربی زبان میں ''امانت'' کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی معاملے میں بھروسہ کرنا، لہٰذا ہر وہ چیز جو دوسروے کو اس طرح سپرد کی گئی ہو کہ سپرد کرنے والے نے اس پر بھروسہ کیا ہو کہ یہ اس کا حق ادا کرے گا، امانت کی حقیقت ہے، امانت کی اس حقیقت کو سامنے رکھیں گے، تو امانت کے مفہوم میں بے شمار چیزیں داخل ہوں گی۔ (اسلام اور ہماری زندگی ۸/ ۳۵)

امانت کی متعدد اقسام

حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾. (النساء:۵۸)

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچادو، جب فیصلہ کرنے لگو، تو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو، اللہ تعالیٰ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ

سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

لفظ امانت کو بصیغہ جمع کیوں ذکر کیا گیا

حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر کے اختتام میں بطور خلاصہ تحریر ماتے ہیں:

اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ ''امانت'' بصیغہء جمع استعمال فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں جو واقعہ آیت کے نزول کا ابھی ذکر کیا گیا خود اس میں بھی کوئی مالی امانت نہیں، بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا؛ بلکہ یہ کنجی خدمتِ بیت اللہ کے ایک عہدے کی نشانی تھی۔ (معارف القرآن ۴۴۶/۲)

امانت کی بے شمار قسمیں ہیں، اسی لیے لفظ ''امانت'' کو مصدر ہونے کے باوجود (قرآن پاک میں کئی مقامات پر) جمع کے صیغے کے ساتھ لایا گیا ہے؛ تاکہ امانت کی سب قسموں کو شامل ہوجائے، خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں، یا حقوق العباد سے، حقوق اللہ سے متعلق امانت تمام شرعی فرائض وواجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات ومکروہات سے پرہیز کرنا ہے۔

حقوق العباد سے متعلق امانت میں مالی امانت کا داخل ہونا، تو معروف ومشہور ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی مال امانت کے طور پر رکھ دیا یہ اس کی امانت ہے، اس کی حفاظت اس کے واپس کرنے تک اس کی ذمہ داری ہے۔

(معارف القرآن، المؤمنون آیت: ۸، ۲۹۸/۶)

امتثالِ اوامر واجتنابِ مناہی (تکالیفِ شرعیہ)

اللہ تعالیٰ نے ''یوم الست'' میں انسانوں سے اپنی ربوبیت، اطاعت وفرماں برداری کا اقرار لیا، اس عہد کو اللہ تعالیٰ نے ''امانت'' سے تعبیر فرمایا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝.

(الاحزاب: ۷۲)

ہم نے آسمان، زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی، انہوں نے اِس امانت کو اٹھانے

سے انکار کر دیا اور اِس امانت (کے بوجھ) سے ڈر گئے، انسان نے اس امانت کو اٹھالیا، یہ انسان بڑا ظالم و جاہل ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ مذکورہ آیت کی تفسیر کا خلاصہ قرطبی اور ابن کثیر سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

امانت پیش کرنے سے مراد دین کے احکام کو پیش کرنا ہے۔ (تفسیر قرطبی ۱۴/ ۲۵۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر دین کے احکام پیش کئے، ان سے کہا کہ اگر تم اس امانت کو اُٹھالو، تو اللہ کی فرماں برداری کرنے کی صورت میں تم کو بہترین اجر دیا جائے گا اور نافرمانی کرنے کی صورت میں زبردست سزا دی جائے گی۔

اس امانت میں اللہ کی توحید اور اس کی عبادت یقینی طور پر شامل رہی ہوگی، رہ گئے دوسرے احکام، تو وہ ہر مخلوق کو اس کی ساخت اور صلاحیت کے اعتبار سے دیئے جاتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ اُن کے لیے وہی شرعی احکام ہوتے جو انسانوں کے لیے ہیں، بہر حال ان مخلوقات نے اپنے عجز کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اس امانت کو اُٹھانے کی ذمہ داری نہیں رکھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان سے کہا: میں نے یہ امانت آسمان و زمین پر پیش کی، تو انہوں نے اس سے عاجز ہونے کا اظہار کر دیا، کیا تم اس کو اُٹھا سکتے ہو؟ اگر تم اس کو اُٹھانے کا حق ادا کرو گے، تو تمہیں اس کا بہترین اجر عطا کیا جائے گا، اگر تم نے اس امانت کا حق ادا نہیں کیا، ضائع کر دیا، تو تم کو عذاب ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو قبول فرمالیا۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۵۰۱)

اس طرح دین وشریعت کے احکام انسان کے کاندھوں پر رکھے گئے۔

انسان کے بڑے ظالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس امانت کو قبول کر کے اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے؛ کیوں کہ اگر اس کا حق ادا نہ کر سکا، تو دوزخ میں جائے گا۔

جاہل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جس ذمہ داری کو قبول کیا ہے، وہ اس کی مشکلات سے کما حقہ واقف نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ نے ظالم

اور جاہل ہونے کا یہی مطلب مراد لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی ۱۴/ ۲۵۷)

اگر چہ کہ اس فقرے میں بظاہر انسان کی مذمت ہے؛ لیکن غور کیا جائے، تو اس کے پسِ پردہ انسان کی تعریف بھی کی گئی ہے، ظالم اسی کو کہا جاتا ہے، جس میں عدل وانصاف کرنے کی صلاحیت ہو، گائے، بکری اور در و دیوار کو ظالم نہیں کہا جاتا، جاہل اسی کو کہا جاتا ہے، جس میں اپنی اصل کے اعتبار سے علم کی صلاحیت ہو، سمندر اور پہاڑ کو جاہل نہیں کہا جاتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے اس بات کا اعلان ہے کہ اس کو علم وعدل کی صلاحیت عطا کی گئی ہے اور یہی صلاحیت ہے جس کے ذریعے انسان امانت الٰہی کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔
(آسان تفسیر ۲/ ۳۴۸)

زندگی امانت

علامہ فخر الدین رازیؒ تحریر فرماتے ہیں:

امانت کی بے شمار قسمیں ہیں، حقوق اللہ میں امانت کی رعایت یہ ہے کہ تمام اوامر کو بجالائے اور محرمات اور معاصی سے احتراز کرے، یہ باب بہت وسیع ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ہر چیز میں امانت کی رعایت لازم ہے، حتی کہ وضو، غسل، نماز، روزہ اور زکوۃ ہر چیز کو اس کے شرائط، واجبات اور آداب کے ساتھ ادا کرنا، یہ امانت کی رعایت، مذکورہ امور کی رعایت نہ کرنا یہ خیانت ہے۔

زبان امانت

انسانی اعضاء انسان کے پاس امانت ہیں، زبان کی امانت یہ ہے کہ جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بدگوئی، بہتان تراشی، شرکیہ اور کفریہ کلمات سے زبان کی حفاظت کرے، آنکھ کی حفاظت یہ ہے کہ اس کو محرمات کی طرف دیکھنے سے بچائے۔

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگاہوں کی حفاظت ہی کی بنا پر ان کے امین ہونے کی گواہی دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں کی خیانت سے اللہ کی پناہ طلب کی ہے، چپکے سے محرمات کی طرف دیکھنا، بلا اجازت کسی کے

گھر وغیرہ میں جھانکنا، کسی کے ذاتی قسم کے خطوط وغیرہ بلا اجازت پڑھنا یہ آنکھ کی خیانت ہے، کان کی امانت یہ ہے کہ لہو ولعب، گانا، موسیقی وغیرہ کے سننے سے بچائے، اسی طرح تمام انسانی اعضاء کا حکم ہے۔ (التفسیر الکبیر، سورۃ النساء: آیت ۵۸: ۱۰/۱۱۰)

زندگی ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے، اس امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس زندگی کو اللہ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق گذاریں، انسان کی زندگی، اس کا وجود ،اس کے اعضاء وجوارح، اس کے اوقات، اس کے اموال، اس کی صلاحتیں اور توانائیں؛ سب اللہ کی امانت ہیں، زندگی، اعضاء، اموال، اوقات اور توانائیں اور صلاحیتوں کو اسی کام میں استعمال کرنا ضروری ہے، جس کام کے لیے یہ نعمتیں دی گئی ہیں، دیگر کاموں میں استعمال کرنا امانت کی خیانت ہے۔ (ملخص: اسلام اور ہماری زندگی ۸/ ۷۳)

انسان کی جان امانت ہے، اسی لیے شریعت میں خودکشی کرنا حرام ہے، اگر یہ جان وجسم اپنا ہوتا، تو خودکشی حرام کیوں ہوتی؟ معلوم ہوا کہ یہ جان وجسم اپنا نہیں؛ بلکہ امانت ہے۔

مالی امانتیں

مالی امانت کو فقہ کی اصطلاح میں ”ودیعت“ کہتے ہیں کہ کوئی شخص بالقصد کسی کے پاس امانت رکھے، اس کو ودیعت کہتے ہیں اور امانت عام ہے، بالقصد رکھے، یا کسی اور طریقے سے کسی بھی شخص کا کوئی بھی مال ہمارے پاس آجائے، خواہ مالک خود ہمارے پاس پہنچائے کہ یہ چیز اپنی حفاظت اور ذمہ داری میں رکھو، یا کسی اور طریقے پر ہمارے پاس پہنچ گئی ہو، مثلاً کوئی چیز ہوا میں اڑ کر آگئی، یا کسی سے چھوٹ گئی، آپ کی نظر اس چیز پڑی، اب وہ چیز آپ کے پاس امانت ہے، اس کی حفاظت کرنا اور مالک تک پہنچانا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے، اس کی حفاظت نہ کرنا، یا ذمہ داری میں ہونے کی صورت میں اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا یہ خیانت ہے۔ (مستفاد قاموس الفقہ: ۲/۲۲۴)

امانت کی خیانت معاف نہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

اَلْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ الذُّنُوْبَ كُلَّهَا أَوْ قَالَ: يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ

إِلَّا الْأَمَانَةَ.

اللہ کے راستے کی شہادت سے ہر گناہ معاف کر یا جا تا ہے؛ البتہ امانت معاف نہیں کی جاتی، قیامت کے دن صاحبِ امانت کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کی امانت کو ادا کرو، وہ شخص کہے گا، اے اللہ! دنیا کا نظام ختم ہو چکا ہے، امانت کہاں سے لاؤں گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کو''ہاویہ'' جو جہنم کا ایک طبقہ ہے، اسے وہاں لے جا کر ڈال دو، جب اس کو ''ہاویہ'' میں پہنچایا جائے گا، تو اس کو وہ امانت بعینہٖ ''ہاویہ'' میں نظر آئے گی، وہ شخص اُس امانت کو لے کر جہنم کے نیچے حصے سے اوپر تک آئے گا اور سمجھ رہا ہوگا کہ وہ تو باہر نکل ہی جائے گا، اچانک وہ امانت گہرائی میں گر جائے گی، اُس کے پیچھے یہ شخص بھی گر جائے گا، یہی سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا، (ایمان والا ہوگا، تو ان شاء اللہ کسی وقت نکلے گا) پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بطورِ دلیل سورۃ النساء کی آیت پڑھی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتب الودائع، باب ماجاء فی ترغیب اداء الامانات: ۱۲۶۹۲، حلیۃ الاولیاء، مکارم الاخلاق للخرائطی)

نوٹ: مسلم، ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں قرض کے سلسلے میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ شہادت سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؛ البتہ قرض معاف نہیں ہوگا، اس روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں اور یہ روایت مختصر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ''امانت'' سے متعلق روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے، بعض نے مرفوعاً روایت کی ہے، بعض حضرات نے موقوفاً، چوں کہ روایت عذاب سے متعلق ہے، اس وجہ سے موقوف روایت بھی مرفوع ہی کے درجے میں ہوگی، نیز امانت میں خیانت کی جائے، تو امانت امین کے ذمے قرض ہوگئی، لہٰذا ان دونوں روایتوں میں معنوی اعتبار سے کوئی تعارض اور سند کے اعتبار سے کوئی کلام نہیں ہوگا۔

امانت کا حکم

امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر امانت کی چیز امین کے قبضے میں رہتے ہوئے، اس کی زیادتی اور قصد وارادے کے بغیر ضائع ہو جائے، تو امین اُس چیز کا ضامن نہ ہوگا، امین سے امانت کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے اس کا تاوان اور جرمانہ وصول نہیں کیا جائے گا۔۔۔

اگر امین کی طرف سے زیادتی ہو، بدنیتی ،غفلت یا خاطر خواہ حفاظت کا انتظام نہ کرے، تو وہ اس کا ضامن اور ذمہ دار قرار پائے گا۔ (قاموس الفقہ ۲/۲۲۴)

عاریت کی چیز امانت

امانت کے کچھ خاص شعبے ہیں، بعض اوقات ہم ان کو امانت نہیں سمجھتے اور امانت جیسی حفاظت نہیں کرتے، مثلاً: عاریت، عاریت کہتے ہیں، کسی آدمی سے کسی چیز کو عارضی طور سے بلاعوض استعمال کرنے کے لیے لی جائے ،قرآن ،سنت اور اجماع سے کسی چیز کو عاریت پر لینے کی گنجائش ہے اور بسا اوقات اس کی ضرورت معاشرے میں پیش آہی جاتی ہے، جو شخص کسی دوسرے سے کتاب، برتن، سواری یا کوئی اور چیز استعمال کے لیے لے، تو عاریت کی چیز لینے والے کے نزدیک امانت ہے، عاریت پر لی ہوئی چیز کا استعمال مالک کی مرضی اور اس کی اجازت کے حدود ہی میں کرسکتا ہے اور وقت مقررہ پر واپس کردینا، یہ امانت داری ہے، مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا، طے شدہ وقت پر واپس نہ کرنا، خیانت ہے۔

(مستفاد: اسلام اور ہماری زندگی ۸/۴۰)

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْخُطْبَةِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ.

(رواه الترمذی، کتاب البیوع، العاریة مؤداة: ۱۲۶۵)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبے میں یہ باتیں فرماتے ہوئے سنا کہ عاریت والی چیز ادا کی جائے گی، ضامن ادائیگی کا ذمہ دار ہے اور قرض ادا کیا جائے گا۔

حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے میں پائی جانے والی تین خرابیوں کی اصلاح فرمائی ہے۔

عاریت ادا کی ہوئی ہے، (یعنی عاریت کی ادائیگی لازم ہے) معاشرے میں یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ پڑوس سے کوئی چیز مانگ کرلاتے ہیں، پھر واپس نہیں کرتے، اگر مالک بھول گیا، تو اس کی چیز گئی، ورنہ جب مانگنے آئے گا، منہ بنا کردیں گے، یہ طریقہ غلط ہے، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ جب ضرورت پوری ہوجائے ،توفوراً وہ چیز شکریہ کے ساتھ واپس کردو۔ (تحفۃ الالمعی ۴/ ۱۹۲)

منصب اور عہدے اللہ کی امانتیں

حکومت کے جتنے عہدے اور منصب ہیں، وہ سب اللہ کی امانت ہیں جس کے امین وہ حکام اور افسران ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی علمی اور عملی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے؛ بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدے کے لیے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ (معارف القرآن، النساء ۲/ ۴۴۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ مجھے کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمادیں، تو آپ نے میرے مونڈھے پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا:

يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا.

(رواہ مسلم عن ابی ذر، کتاب الامارۃ، باب کراھیۃ الامارۃ: ۱۸۲۵)

اے ابوذر! آپ ضعیف آدمی ہیں، منصب ایک امانت ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن انتہائی ذلت اور رسوائی ہوگی، سوائے اُس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا کردیا ہو، یعنی وہ ذلت سے بچ جائے گا۔

کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون

کامل اہلیت والا تمام شرائط کا جامع کوئی شخص نہ ملے، تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو، اس کو ترجیح دی جائے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو، پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی وتعلق کی وجہ سے اہلیت معلوم کئے بغیر دے دیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہوگا، نہ نفل؛ یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہوجائے گا۔ (جمع الفوائد: ۵۲۳)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا؛ حالاں کہ اُس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اُس عہدے کے لیے اُس سے زیادہ اہل، قابل اور موزوں ہے، تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور سب مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا معاملہ کیا، آج جہاں نظامِ حکومت کی ابتری نظر آتی ہے، وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات، سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور نالائق لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلقِ خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظامِ حکومت برباد ہو جاتا ہے۔

نااہل کو ذمہ دار بنانا قیامت کی علامت

اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.

(رواه البخاري عن ابي هريرة رضي الله عنه، كتاب العلم، باب من سئل علما: ۵۹)

جب دیکھو کہ اہم کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی جارہی ہے جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں، تو (اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے لفظ ''امانات'' کو بصیغہ جمع لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ امانت کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو؛ بلکہ امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں۔ (معارف القرآن، النساء: ۲/ ۴۴۷)

عہدے امانت دار کو سپرد کرنے چاہیے

اس آیت میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں حق جل شانہ نے حکومت کے عہدوں کو بھی امانت قرار دے کر اول تو یہ واضح فرمادیا کہ جس طرح امانت صرف اسی شخص کو ادا کرنا چاہیے جو اس کا مالک ہو، کسی فقیر، مسکین پر رحم کھا کر کسی کی امانت اس کو دینا جائز نہیں، یا کسی رشتہ دار یا دوست کا حق ادا کرنے کے لیے کسی شخص کی امانت اس کو دے دینا

درست نہیں، اسی طرح حکومت کے عہدے جن کے ساتھ عام خلق خدا کا کام متعلق ہوتا ہے، یہ بھی امانتیں ہیں اور ان امانتوں کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اپنی صلاحیت، قابلیت اور استعداد کے اعتبار سے بھی اس عہدے کے لیے مناسب اور موجودہ لوگوں میں سب سے بہتر ہوں اور دیانت اور امانت کے اعتبار سے بھی سب میں بہتر ہوں، ان کے سوا کسی دوسرے کو یہ عہدہ سپرد کر دیا، تو یہ امانت ادا نہ ہوئی۔ (معارف القرآن ۲/۴۴۹)

جس طرح حکومت کے مناصب امانت ہیں، اسی طرح تمام غیر سرکاری ادارے، تنظیمیں اور اوقافی املاک مدارس اور مساجد کی ذمہ داریوں کا بھی یہی حکم ہے۔ (ابوفیضان)

ملازمت کے اوقات امانت

مزدور اور ملازم کو جو کام سپرد کیا گیا ہے، اس کے لیے جتنا وقت خرچ کرنا باہم طے ہو گیا، اس وقت میں اس کام کو پورا کرنے کا حق ادا کرنا اور مزدوری اور ملازمت کے لیے جتنا وقت مقرر ہے، اس کو اسی کام میں لگانا بھی امانت ہے، کام کی چوری یا وقت کی چوری کرنا خیانت ہے۔ (معارف القرآن، المؤمنون: آیت: ۸، ۶/۲۹۸)

ایک شخص نے کسی ادارے میں ملازمت اختیار کر لی، معاہدے میں آٹھ گھنٹے طے ہوئے، ادارے کی جانب سے طے شدہ وقت ادارے کی امانت ہے، ان آٹھ گھنٹوں کو ادارے ہی کے کام میں استعمال کرنا چاہیے، اگر ادارے کے کام میں استعمال نہ کرے، تو خیانت ہے۔ (اسلام اور ہماری زندگی ۸/۴۱)

مجلسیں امانت

مجلس میں جو بات کہی جائے، وہ اُس مجلس کی امانت ہے، اہل مجلس کی اجازت کے بغیر مجلس کی باتوں کو دوسروں سے نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الحَدِيثَ، ثُمَّ التَفَتَ، فَهِيَ أَمَانَةٌ.

(رواه الترمذی عن جابر رضی اللہ عنہ، ابواب البر والصلة: ۱۹۵۹)

جب کوئی شخص کسی سے کوئی بات کہے، پھر وہ چلا جائے، تو وہ بات سننے والے کے

نزدیک امانت ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے، کسی کے سامنے اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر بیان نہ کرے، اگر بیان کردے، تو خیانت ہوگی۔

راز کی بات امانت

مجلسیں امانت ہیں، یعنی راز کی بات امانت ہے، اس کا اظہار خیانت ہے، مجلس میں کسی نے کوئی ضروری بات کہی، قرائن بتاتے ہیں، بعض مرتبہ کہنے والا بذات خود صراحت کرتا ہے کہ ان باتوں کو کسی سے بیان نہ کرو، کہنے والے نے حاضرین پر اعتماد کیا، بھروسہ کیا کہ یہ اہل مجلس میرے قابل اعتبار لوگ ہیں، میرے راز دار ہیں اور ان باتوں کو ظاہر کرنے میں اس کا نقصان ہے۔

اگر اہل مجلس میں سے کسی نے ظاہر کردیا، تو ممکن ہے اس کی باتوں کو ظاہر کرنے سے نقصان برداشت کرنا پڑے، نیز اس نے اہل مجلس کو قابل اعتبار گردانا تھا، بھروسہ کیا، اس کے دل میں آپ کا اعتبار اور بھروسہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا، لہذا کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی، وہ بھی اس کی امانت ہے، اذنِ شرعی کے بغیر کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے۔

نیز زوجین کی تنہائی کی باتوں کو اپنے دوست یا سہلیوں کے سامنے ذکر کرنا، اللہ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے، بعض حضرات دل لگی اور خوش طبعی کے نام پر زوجین کی تنہائی کی باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، یہ عمل اللہ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانا امانت داری کا بھی تقاضا ہے اور حیا کا بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمَانَةِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا.

(رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری، کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سر المرأة:۱۴۳۷)

قیامت کے دن سب سے بڑی امانت (جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا) یہ (بھی) ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے ضرورت پوری کرے اور عورت اپنے شوہر سے ضرورت پوری کرے، پھر تنہائی کی باتوں کو پھیلائے۔

شرعی اعذا کی بنا پر مجلس کی باتیں ظاہر کی جاسکتی ہیں

البتہ مجلس میں کسی نے ناحق خون کرنے، بدکاری، یا کسی کا مال لوٹنے اور چوری کرنے کی بات کہی، جس کو نقصان پہنچانے کا ارداہ کیا گیا، اس شخص کو مطلع کردے؛ تاکہ اس کی جان، مال اور عصمت کی حفاظت ہوسکے اور اس کو نقصان سے بچایا جاسکے، اس طرح کے شرعی اعذار کی بنا پر مجلس کی باتیں ظاہر کی جاسکتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا ثَلَاثَةَ مَجَالِسَ: سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ، أَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ، أَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ.

(رواہ ابو داؤد عن جابر، کتاب الآداب: ۴۸۶۹)

صاحبِ مشورہ امین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ. (رواہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ، کتاب الآداب: ۵۱۲۸)

جس شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے، وہ امین ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ غَيْرَهُ أَرْشَدُ، فَقَدْ خَانَهُ.

(مکارم الاخلاق للخرائطی: ۷۸۲)

جو شخص اپنے بھائی کو کوئی مشورہ دے وہ جانتا ہے کہ وہ مشورہ اس کے لیے مناسب نہیں ہے، تو مشورہ دینے والا شخص خائن ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص سے کوئی مشورہ کیا جائے، اس پر لازم ہے کہ وہ مشورہ کرنے والے کو وہی مشورہ دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے والے کے حق میں مفید اور بہتر ہو، اگر جانتے ہوئے اس کی مصلحت کے خلاف مشورہ دیا، تو امانت میں خیانت کا مرتکب ہوگیا۔

خلاصہ کلام

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ۝۵۸ ۔ (النساء:۵۸)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۲۷ ۔ (الانفال:۲۷)

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۔ (المؤمنون:۸، المعارج:۳۲)

زندگی کا کوئی شعبہ امانت کے حکم سے خالی نہیں

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

غرض یہ ہے کہ امانت میں خیانت کے مصداق اتنے ہیں کہ شاید زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ہمیں امانت کا حکم نہ ہو اور خیانت سے ہمیں روکا نہ گیا۔

(اسلام اور ہماری زندگی ۸/ ۵۰)

قابل احترام بزرگو!

بندۂ ناچیز نے ''امانت'' سے متعلق چند مذکورہ اسلامی تعلیمات وہدایات، تاکیدات اور خیانت پر سخت قسم کی وعیدیں جمع کی ہیں، ان کو اپنانے میں ہماری دنیا وآخرت کی بھلائی اور نجات ہے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اولاً ان سطور کو جمع کرنے والے کو اور ثانیاً تمام امتِ مسلمہ کو زندگی کے ہر شعبے میں امانت کا پاس ولحاظ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہر قسم کی خیانت سے حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین ۔

محتاج دعا:

عبد اللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدیٰ، بنگلور

۵ /صفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۳/ستمبر ۲۰۲۲ء

پریشانیوں کے ازالے کا ایک نبوی وظیفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غم، ٹینشن اور پریشانیوں کے موقع پر مندرجہ ذیل دعا پڑھتے تھے۔

لَآ إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَآ إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ.

(بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الکرب: ٦٣٤٥)

صلوۃ الحاجت کی فضیلت، اہمیت اور ضرورت

جب کسی شخص کو کوئی ضرورت پیش آئے، خواہ وہ ضرورت ایسی ہو جو بظاہر بندوں سے پوری ہوسکتی ہو، یا ایسی ضرورت ہو جو بظاہر ناممکن ہو، انسان اسباب کی ناکامی سے مایوس ہو چکا ہو اور وہ ضرورت خاص مدد ونصرت کے بغیر پوری نہ ہوسکتی ہو، یا کوئی کام کرنا چاہتا ہو؛ لیکن وہ کام ہوتا ہوا نظر نہ آرہا ہو، یا اس کام کی تکمیل میں رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آرہی ہوں، یا کوئی پریشانی، مصائب اور آفات لاحق ہوگئے ہوں، تو دو رکعت نفل نماز پڑھے، پھر جو دعا حدیث میں آئی ہے، اس کے معنی کو سمجھ کر پڑھے اور اپنی زبان میں بھی خوب گڑگڑا کر دعا کرے۔ ان شاء اللہ۔ اس کی ضرورتیں پوری ہوں گی، رکاوٹیں دور ہوں گی، دشواریاں آسان ہوں گی اور پریشانیاں دور ہوں گی۔

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾. (الحجر ۹۷-۹۹)

اے نبی! ہمیں معلوم ہے کہ اُن (دشمنوں) کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوجاتا ہے، آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے، سجدہ کرنے والوں میں سے رہئے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہئے؛ یہاں تک کہ آپ کو یقین (موت) آجائے۔

معلوم ہوا کہ اگر لوگوں کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آئے، یا کسی بھی وجہ سے انسان کا دل رنجیدہ ہوجائے، تو اس کا علاج ومداوی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کیا جائے، تسبیح وتحمید کی جائے اور عبادت میں مشغولی اختیار کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی اہم معاملہ، ناگوار بات، یا کوئی پریشانی پیش آتی، تو فوراً آپ نماز کی طرف لپکتے۔

''التفسیر المیسر'' میں مذکورہ آیت سے صلوۃ الحاجت پر استدلال کیا ہے، استدلال قابلِ استحسان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہی تعلیم دی ہے اور اسی نہج پر صحابہ کی تربیت

فرمائی کے جب کوئی ضرورت، پریشانی اور دشواری پیش آئے،تو خدا کی طرف رجوع کرو اور صلوۃ الحاجت پڑھو،کم از کم اس سلسلے کی دعاؤں کا اہتمام کرو۔

صلوۃ الحاجت کا مقصد

انسان کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے،تو وہ ظاہری اسباب اختیار کرتا ہے،ظاہری اسباب اختیار کرنا اور مقدور بھر کوشش کرنا جائز ہے؛لیکن ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ صرف ظاہری اسباب ہی کو سب کچھ نہ سمجھ لے؛ بلکہ وہ ظاہری اسباب کو اختیار کرے،اُن اسباب میں تاثیر اور کامیابی کو اللہ سے طلب کرے اور اسی کو کارساز سمجھے، بے ایمان کی طرح نہ ہو کہ صرف ظاہری اسباب ہی پر کامیابی کو منحصر سمجھتا ہے اور خدا کی طرف جو کہ مسبب الاسباب، قادر مطلق اور کارساز ہے بالکل متوجہ نہیں ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظاہری اسباب ضرور اختیار کرو؛لیکن تمہارا یقین اور بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے،اسباب اختیار کرنے کے بعد دعا کرو کہ اے اللہ میرے اختیار اور بس میں جو تھا،اس کو کرلیا،آپ ہی اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والے اور ان تدبیروں کو کامیاب بنانے والے ہیں،لہٰذا میری تدبیروں کو کامیاب فرمادیجئے۔

اسی کی تعلیم دی ہے گئی ہے،حدیث شریف میں مذکور ہے

اللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الإِجَابَةُ، وَهٰذَا الجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ.(ترمذی، ابواب الدعوات، باب مایقول اذاقام من اللیل: ۳۴۱۹)

اے اللہ میری طاقت میں جو کچھ تدبیریں اور اسباب تھے، میں نے اختیار کیا، آپ ہی پر بھروسہ ہے، آپ ہی اپنی رحمت سے اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے اسباب اور تدابیر اختیار کرنے کی اجازت؛ بلکہ حکم دیا ہے؛لیکن اسباب کی تاثیر اور تدابیر کی کامیابی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے،لہٰذا انسان کی نگاہ صرف اسباب تک محدود نہ رہے؛ بلکہ اسباب کے پیدا کرنے والی ذات پر ہونی چاہئے،ان اسباب میں تاثیر اور تدابیر میں کامیابی کی دعا کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کی تربیت اسی طرح فرمائی تھی، یہی

وجہ ہے کہ ان کی نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر رہتی تھی، اس سلسلے میں حضرات صحابہ کرام کے بے شمار واقعات کتب سیرت میں مذکور ہیں۔

صلوۃ الحاجت کی دعا اور طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس کو شخص کوئی حاجت پیش آئے، خواہ اللہ سے یا کسی انسان سے یعنی وہ کسی اہم معاملے میں براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہتا ہے، یا کسی بندے سے کوئی چیز طلب کرنا چاہتا ہے، مثلاً قرض لینا چاہتا ہے، خیال ہے کہ اللہ جانے وہ دے گا یا نہیں، تو خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نفل نماز پڑھے، پھر اللہ کی حمد وثنا کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر یہ دعا پڑھے:

لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

(رواہ الترمذی عن عبداللہ بن ابی اوفی، ابواب الوتر، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ: ۴۷۹)

اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے، وہ بردبار ہے، اللہ پاک ہے جو عرش عظیم کا پروردگار ہے اور تمام تعریفیں اُسی اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالن ہار ہے۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیری مہربانی کو واجب کرنے والے، تیری بخشش کو مؤکد کرنے والے اعمال کی توفیق اور ہر نیکی سے بلا مشقت کی کمائی اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں۔

اے اللہ! میرے ہر گناہ کو بخش دے، اے نہایت رحم ومہربانی فرمانے والے! میری ہر فکر وٹینشن کو دور کر دے اور میری ہر ضرورت وحاجت کو جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو، پوری فرمادے۔

یہ دعا اللہ کی وحدانیت، پاکی وتقدیس، عظمت اور قدرت، ربوبیت، گناہ پر فوری گرفت نہ کرنے، استحقاق کے بغیر نوازنے اور متعدد اسمائے حسنی پر مشتمل ہے، لہٰذا ان اسماء کی برکت

سے ضرورتیں پوری ہوں گی، رکاوٹیں دور ہوں گی، دشواریاں آسان ہوں گی اور پریشانیوں کا ازالہ ہوگا۔

مذکورہ طریقے پر نماز پڑھ کر اپنی ضرورت خوب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے مانگے اور یہ عمل برابر کرتا رہے؛ یہاں تک کہ ضرورت پوری ہوجائے، یا دل مولائے مرضی اور قناعت پر راضی ہوجائے، یہ سب سے بڑی دولت ہے۔

بندے کی دعا ہر حال میں قبول ہوتی ہے، یا اُسی کے مثل کوئی دوسری چیز دے دی جاتی ہے یا عبادت بنا کر نامہء اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور بندے کے دل کو مطلوبہ چیز کے نہ ملنے پر مطمئن کردیا جاتا ہے۔

اگر حاجت وضرورت کسی بندے سے متعلق ہو، تو بھی مذکورہ عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی کے ساتھ دعا کرے، اے اللہ! اس بندے کے دل کو میری ضرورت پوری کرنے پر آمادہ فرمادے۔

کیوں کہ تمام بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جدھر چاہتے ہیں، پھیر دیتے ہیں، پھر دعا سے فارغ ہوکر اُس بندے کے پاس جائے اور اپنی ضرورت پیش کرے، اگر ضرورت پوری ہوجائے، تو اُس بندے کا بھی شکر ادا کرے اور اللہ کا بھی شکر ادا کرے، اگر ضرورت پوری نہ ہو، تو سمجھے کہ اللہ کی مرضی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ حاجت روائی کے لیے کوئی دوسرا انتظام فرمائیں گے۔

صلوۃ الحاجت کی حکمت ومصلحت

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے سے پہلے نماز پڑھنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، نماز اور خدا کی حمد وثنا کے بعد دعا کرے گا، تو ضرور کامیابی ملے گی اور ضرورت پوری ہوگی۔

اگر حاجت وضرورت کسی بندے سے متعلق ہو، تو، نماز اور دعا کے بعد اس کے پاس جانے کی دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت

کسی بندے سے ضرورت پوری کرنے کی درخواست کرنا غیر اللہ سے مدد اور استعانت

ہے، مدد اور استعانت صرف اللہ سے طلب کرنا چاہئے، جب بندہ کسی بندے کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرے گا، تو گویا وہ غیر اللہ سے مدد طلب کر رہا ہے۔

اس لیے شریعت صلوۃ لحاجت اور اس کی دعا کی تعلیم دی؛ تا کہ بندے کے عقیدے کی حفاظت ہو سکے، اس لیے کہ اگر اُس بندے نے اس کی ضرورت پوری کر دی، تو یہ سمجھے گا کہ اسی نے میری ضرورت پوری کی ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ ہی ضرورتوں کو پوری کرنے والے ہیں، اللہ ہی نے اُس بندے کے دل کو اس کی طرف متوجہ کیا اور اس کی حاجت روائی پر آمادہ کیا ہے، یہ یقین کی کمی اور فسادِ عقیدہ ہے۔

اگر بندہ نماز و دعا کے بعد کسی بندے کے پاس جائے گا اور وہ اس کی ضرورت کو پوری بھی کر دے، تو ذہن نماز، دعا، اللہ کی توفیق و مدد اور اس کی طرف سے آسانی کی طرف متوجہ ہو گا کہ اللہ نے اپنے فضل و مہربانی، نماز و دعا کی برکت سے میری ضرورت پوری فرما دی، اس کے دل کو نرم اور میری طرف متوجہ کیا ہے۔

اگر وہ بندہ اُس کی ضرورت پوری نہ کرے، تو یہ سمجھے گا شاید ضرورت پوری نہ ہونے میں میری کوئی مصلحت ہے، یہ یقین اور عقیدے کی حفاظت ہے۔

دوسری حکمت

کسی ضرورت کا پیش آنا اور کسی کے پاس جانا یہ دنیوی معاملہ ہے، شریعت چاہتی ہے کہ دنیوی معاملہ بھی عبادت بن جائے، اس لیے صلوۃ الحاجت کو مشروع کیا ہے۔

(ملخص از تحفۃ الالمعی ۲/ ۳۳۳)

نوٹ: ائمہ اربعہ کے نزدیک صلوۃ الحاجت مستحب ہے۔

ہر ضرورت کے لیے صلوۃ لحاجت پڑھی جائے

ہر ضرورت اور پریشانی کے وقت صلوۃ الحاجت پڑھنا اور اللہ سے مدد طلب کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ، صَلَّى.

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل: ۱۳۱۹)

جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تشویش کا معاملہ پیش آتا، کوئی پریشانی لاحق ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے نماز کی طرف دوڑتے۔

یہی صلوۃ الحاجت ہے، پھر دعا کرے: اے اللہ یہ مشکل پیش آگئی ہے، آپ اس کو دور فرمادیجئے ، لہٰذا ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیابی اور اسباب کے بجائے مسبب الاسباب پر یقین وایمان کی زیادتی کے لیے صلوۃ الحاجت کا خوب اہتمام کریں۔

اگر نماز کا موقع یا وقت نہ ہو، تو دعا کرے اور حدیث میں مذکور دعا بھی پڑھے، اپنی ہر ضرورت کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے، وہ ضرورت چھوٹی ہو یا بڑی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہاری ہر ضرورت کو اللہ سے مانگو، یہاں تک کہ نمک کی ضرورت پیش آئے، تو وہ بھی اللہ سے مانگو، اگر تمہارے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے، تو بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

(ترمذی، ابواب الدعوات ۲/۲۱۱، رقم: ۳۶۱۳)

چھوٹی ضرورت، بڑی ضرورت بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب برابر ہیں، اللہ کے نزدیک ہر کام چھوٹا اور اس کے لیے ہر کام آسان ہے۔

پریشانیوں کے موقع پر ہمارا طریقہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

آج ہم میں سے ہر شخص پریشان ہے، ہر گھر میں پریشانی ہے، کوئی اندیشوں کا شکار ہے، کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہیں، زمینی، آسمانی مصائب وشدائد کا ابتلاء ہے؛ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے شام تک جہاں دو چار آدمی جمع ہوئے، تبصرے شروع کردئے، فلاں نے اس طرح کیا، فلاں سے کوتاہی ہوئی، حکومت نے یہ غلطی کی، ان تدابیر میں کمی ہوگئی، ذرائعِ ابلاغ، واٹساپ اور یوٹیوب پر نگاہ جمائے رہتے ہیں، خدا کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے اور غفلت میں وقت گذارا کرتے ہیں، تبصروں میں کتنوں کی غیبت ہوتی ہے؟ کتنوں پر بہتان لگایا جاتا ہے؟

کاش ہم پریشانیوں کے وقت خدا کی طرف رجوع کرتے!

تبصروں سے وقت کے ضائع ہونے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا، تبصروں سے ہماری

مجلسیں آباد رہتی ہیں، اللہ کی طرف رجوع اور گڑگڑانے کا سلسلہ ختم ہوگیا، کاش ہم دو دو رکعت صلوۃ الحاجت پڑھ کرامت کے لیے، انسانیت کے لیے تڑپ کر مصائب وشدائد اور پریشانیوں کے رفع وازالے کی دعائیں کرتے اور جو مناسب تدبیریں ہوں؛ ان کو اختیار کرتے اور جن تدبیروں کو اختیار کیا جائے؛ ان کی کامیابی کی دعا کرتے۔

ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جن کو ضرورتوں اور پریشانیوں کے موقع پر خدا کی طرف رجوع کرنے اور تضرع وعاجزی کرنے کی توفیق ملتی ہے اور دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اپنی رحمت سے ہماری ضرورتوں کو پوری کردیجے، اے اللہ! مصیبتیں ہم پر مسلط ہیں، ہمارے گناہوں کا وبال ہیں، اے اللہ! اپنی رحمت سے دور فرمادیجئے۔

(مستفاد: از اسلام اور ہماری زندگی ۱۸۶/۲)

پریشانیوں کے ازالے کا ایک نبوی وظیفہ

لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ العَظِيمُ الحَلِيمُ، لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، وَرَبُّ العَرْشِ العَظِيمِ.

(رواه البخاري عن ابن عباس ﷺ، كتاب الدعوات، باب الدعاء عند الكرب: ٦٣٤٥)

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غم، ٹینشن اور پریشانیوں کے موقع پر یہ دعا پڑھتے تھے۔

لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ العَظِيمُ الحَلِيمُ، لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، وَرَبُّ العَرْشِ العَظِيمِ.

نسائی شریف کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! جب تم پر کوئی مصیبت یا پریشانی آئے، تو مذکورہ دعا پڑھو۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں:

اکابر اس دعا کو ''دعاالکرب'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شارحین بخاری حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ مندرجہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے۔

امام ابوبکر رازیؒ فرماتے ہیں:

میں ''اصبہان'' شہر میں محدث ابونعیمؒ کی خدمت میں قیام پذیر تھا، اُس شہر میں ابوبکر بن علی نامی ایک بزرگ تھے جو فقہ وفتاوی میں مرجع خلائق تھے، کسی نے بادشاہِ وقت کے پاس ان کی شکایت کردی، بادشاہ نے بزرگ کو قید کردیا، بزرگ پریشان ہوگئے۔

خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھے تسبیح میں مشغول ہیں، آپ کے ہونٹ حرکت کررہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

ابوبکر بن علی سے کہو کہ وہ رہائی حاصل ہونے تک اس دعا کا اہتمام کریں جو بخاری میں مذکور ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

میں بیدار ہوا اور ابوبکر بن علی کو اس کی اطلاع دی، انھوں نے دعا کا اہتمام کیا، تھوڑے ہی عرصے میں ان کو رہائی نصیب ہوگئی۔ (فتح الباری ۱۱/۱۶۸)

علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں:

پریشانیوں اور مصیبتوں کے اوقات میں اس دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، یہ نہایت مجرب دعا ہے۔ (فتح الباری ۱۱/۱۶۸)

قارئین کرام سے گزارش

ہم جس زمانے میں جی رہے ہیں، اس میں ہر آن انفرادی، اجتماعی، قومی، ملی، ملکی اور عالمی پریشانیوں اور مصیبتوں کے سایہ تلے جی رہے ہیں، ہر آنے والے دن میں ایک نئی پریشانی آتی ہے، ہماری حالت زار وہی ہے جس کا شکوہ حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمایا ہے، بطور خاص ان سطور کو قیدِ تحریر لانے کے وقت؛ سمجھ میں نہ آنے والی، عجیب وغریب، ایک عالمی وتاریخی آزمائشی پریشانی وآسمانی آفت ''کرونا وائرس'' چل رہی ہے، جس سے لوگوں کا ذہنی جانی، مالی دینی اور دنیوی بے پناہ نقصان ہورہا ہے۔

ان حالات میں ہمیں چاہئے کہ بار بار دو دو رکعت سورتوں کی تعیین کے بغیر صلوۃ الحاجت پڑھیں ، پوری انسانیت بطور خاص امت مسلمہ کے لیے گڑگڑا کر دعائیں کریں اور چلتے پھرتے دعائے کرب کا خوب اہتمام کریں ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ساری انسانیت کو بطور خاص امت مسلمہ کو تمام دنیوی دینی پریشانیوں اور آفتوں سے عافیت وسلامتی نصیب فرمائے۔

آپ سے گزارش ہے کہ قارئین کرام بندۂ ناچیز ، والدین ، اولاد ، اساتذہ، طلبہ اور دیگر اقرباء و متعلقین کی عافیت، سلامتی، خاتمہ بالخیر اور مغفرت کی دعا بھی کریں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

دعاؤں کا طالب:
عبد اللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور
۷ر شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲ را پریل ۲۰۲۰ء



جب کعبے پہ پڑی پہلی نظر

جب محبوب کے شہر میں داخلہ ہوتا ہے، تو دل لرز جاتے ہیں، آنکھیں بے قابو ہو کر آنسوں کی لڑیاں بہاتی ہیں، دل مسرت وفرحت، خوف وخشیت کے عجیب سنگم سے سرشار، زبان سجدۂ شکر وامتنان سے لبریز اور زبانِ قال سے دل سوز آواز میں تلبیہ جاری ہوجاتا ہے، جیسے ہی محبوب کے گھر پر نظر پڑی، پڑی کی پڑی رہ جاتی ہے، اُس گھڑی کی کیفیت کن لفظوں میں بیان ہو، نہ زبان اپنے قابو میں، نہ دل اپنے اختیار میں اور دبی دبی آواز میں

"اللّٰهم زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وتَعْظِيْمًا وَتَكْرِيْمًا وَمَهَابَةً، وَزِدْ مِنْ شَرَفِهٖ، وَكَرَمِهٖ مِمَّنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَ.

دعائیہ کلمات بے ساختہ جاری ہوتے ہیں۔

حج ایک عاشقانہ عبادت

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

علمائے محققین کے نزدیک روزہ اور حج جمالی عبادات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال کا مظہر ونمونہ ہیں، جب کوئی شخص کسی کی محبت وعشق میں گرفتار ہوتا ہے، جامِ محبت نوش کرتا ہے تو عشق کا پہلا مرحلہ جس کو عاشق طے کرتا ہے، وہ دل کو محبوب کے سوا تمام چیزوں سے خالی کرنا ہے، پھر محبوب کے خیال وتصور میں پراگندہ حال، بے قرار اور پریشان دل کے ساتھ محبوب کے وطن، شہر، گلی اور کوچوں کی طرف چل دیتا ہے؛ تاکہ محبوب کی ایک جھلک ہی سہی دیکھ لے اور اس کو پانے کے لیے محبوب کے درودیوار کے چکر لگاتا ہے، یہ محبوب سے سچی محبت وعشق کی علامت ہوتی ہے۔

اسی طریقے پر محبوبِ حقیقی کے عشاق جن کے دل میں اُس کی عشق ومحبت کی آگ لگی ہو، وہ اللہ کے گھر۔جس کو اس نے ''وادی غیر ذی ذرع'' میں بسایا ہے، جس گھر کا چکر ہر نبی علیہ السلام نے لگایا ہے۔کی زیارت کے لیے بے تاب وبے قرار رہتے ہیں، اُس عشق ومحبت کا پہلا زینہ دل کو ماسوی اللہ سے خالی کرلینا اور ہر اُس چیز سے اجتناب کرنا ہے جو اللہ جل جلالہ سے غفلت پیدا کردے۔

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ سے بندے کو غافل کرنے والی چیزیں شہوتِ بطن، وشہوتِ فرج ہیں (کھانا، پینا اور جماع کرنا) یہ تینوں چیزیں کائنات کا خلاصہ ہیں، روزے کی حقیقت اِن دو شہوتوں کو توڑنا ہے، لہٰذا عاشقانِ خدا کی پہلی منزل روزہ ہے، جب بندہ روزے کے ذریعے اپنے عشق ومحبت پر دلیل قائم کرتا ہے، (گویا روزہ تخلیہ کا سبب ہے) اور اپنے دل کو اُس کی محبت وعشق سے معمور ومخمور کرلیتا ہے، تو اب اس کے دل میں محبوب کے شہر جس کو اس نے ''وادی غیر ذی ذرع'' کے ویرانے میں اپنی بستی فرمایا، عالم کے بت کدے میں اپنا سب سے پہلا گھر بنایا اور اس کے سب سے پہلے عاشق وخلیل نے جو اس کے نام پر آگ میں کود پڑنے والے ابراہیم اور اس کی راہ میں اپنے کو ذبح کے لیے پیش کرنے والے اسماعیل

علیہما السلام سے تعمیر کروایا ہے، اس گھر کے درودیوار کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگانے کا جذبہ وشوق ان کو بے قرار وبے چین رکھتا ہے، یہی جذبہ وشوق انہیں وطن، عزیز واقارب اور دوست واحباب کو چھوڑنے، صحراء وبیابان، دشت وجبل، دریا وسمندر کو طے کرنے اور سفر کی تمام صعوبتیں ومشقتیں جھیلنے پر مجبور کرتا ہے، (گویا حج تحلیہ ہے۔ (فتح الملہم شرح مسلم ۱/۱۸۰)

خوش نصیب ارواح ہی کو حاضری کی سعادت

خیال کا پرندہ بہت سارے آشیانوں کی سیر کرتا ہے؛ لیکن اُن ہی پاکیزہ وخوش نصیب عشاق کی روحوں کو اپنا مسکن بناتا ہے جنھوں نے ابوالانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نداء دل گداز پر لبیک کہی ہو، یہ بابرکت وقدسی صفات والی ارواح اُس مقدس گھر کی زیارت اور دیدار کے بغیر تسکین نہیں پاتیں ہیں۔

چناں چہ یہ عاشقانِ خدا بدن پر مجنونہ لباس، عاشقانہ ہیئت، عشقِ خدا اور سول کی محبتِ بے کراں سے سرشار، ماسوی اللہ سے بے گانہ ہو کر سفر کی صعوبتوں، کلفتوں اور بُعدِ مسافت کی پرواہ کئے بغیر معشوقِ حقیقی کے دیار کی جانب زباں پر عشقیہ ودل کی گہرائیوں سے نکلنے والے دل گداز۔

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ، وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ".

پرتاثیر صدائیں اور پرنم آنکھوں کے ساتھ رواں دواں ہوتے ہیں، نماز کے بعد، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اترتے، چڑھتے اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے زباں پر یہی عشقیہ نغمات رہتے ہیں۔

جب کعبے پہ پڑی پہلی نظر

جب محبوب کے شہر میں داخلہ ہوتا ہے، تو دل لرز جاتے ہیں، آنکھیں بے قابو ہو کر آنسوں کی لڑیاں بہاتی ہیں، دل مسرت وفرحت، خوف وخشیت کے عجیب سنگم سے سرشار، زبان سجدۂ شکر وامتنان سے لبریز اور زبانِ قال سے دل سوز آواز میں تلبیہ جاری ہو جاتا ہے، جیسے ہی محبوب کے گھر پر نظر پڑی، پڑی کی پڑی رہ جاتی ہے، اُس گھڑی کی کیفیت کن لفظوں

میں بیان ہو، نہ زبان اپنے قابو میں، نہ دل اپنے اختیار میں اور دبی دبی آواز میں

"اللهم زِدْ هٰذا البَيْتَ تَشْرِيفًا وتعْظِيمًا وَتكْرِيمًا وَمَهَابَةً وَزِدْ مِنْ شَرَفِهِ وَكَرَمِهِ مِمَّنْ حَجَّهُ وَاعْتَمَرَ".

دعائیہ کلمات بے ساختہ جاری ہوتے ہیں۔

زبان حال سے یوں کہتا ہے جس گھر کو تو نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے، اُس کا صحن تو تیرے نام پر ذبح ہونے والے اسماعیل اور آگ میں کود پڑنے والے ابراہیم کے قابل تھا، جس گھر کو تو نے پاک گھر قرار دیا ہے، اس کے درودیوار کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگانے والے تو صرف تیرے پاک وپاکیزہ، نکھرے اور ستھرے عشاق ہی ہوسکتے ہیں۔

جس گھر کی طرف تیرے حبیب اور تیرے بندوں کے سردار نے دن کی روشنی اور رات کی تاریکیوں میں بے شمار سجدے کیئے ہوں اور ان گنت وبے حساب بار اپنے سروں کو جھکایا ہو، اس کی چاردیواری تو صرف نور کے بنے ہوئے فرشتوں اور رحمت ومقبولیت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے صدیقین وکاملین کے طواف کے لائق تھی، وہاں آج کس کو باریاب کررہا ہے؟ کس ننگِ خلائق کا دماغ عرش پر پہنچا رہا ہے؟ کس گندے اور ہر گندگی سے گندہ تر زبان سے لبیک کہلا رہا ہے؟ یہ بیداری ہے یا خواب؟ اگر خواب ہے، تو ہزاروں خواب اِس مبارک خواب پر قربان، اگر بیداری ہے، تو کوئی حقیر وذلیل ناپاک مشتِ خاک اپنے جذبات کے ظاہر کرنے کے لیے لفظ وعبارت کہاں سے لائے۔

طواف اور صفا ومروہ کی سعی

پھر یہ مجنون عشقِ الٰہی میں مست ومدہوش ہوکر معشوق کے درودیوار کے بوسوں سے قلب وروح کو سامانِ تسکین فراہم کرتے ہوئے کبھی مستانہ چال، کبھی دیوانہ رفتار سے خانہء معشوق کے چکر کاٹتے ہوئے مقامِ ابراہیم پر حاضر ہوکر سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، پھر میخانہء زمزم پر پہنچ کر جام زم زم کے فرحت آفریں گھونٹ پیتے ہیں اور بدن کے رُواں رُواں کو سیراب کرتے ہوئے صفاومروہ کی پہاڑیوں کا رخ کرتے ہیں اور اپنی دادی اِبن الذبیحین سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادرِ محترم کی یاد تازہ کرتے ہوئے دوڑ لگاتے ہیں۔

منیٰ کی وادی اور عرفات کا میدان

پھر مالکِ حقیقی ومحبوب حقیقی کے اوامر کا امتثال، امتِ مسلمہ کے بانی وجد امجد حضرت سیدنا ابراہیم، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی یاد زندہ وتابندہ کرنے کے لیے منیٰ کی گھاٹیوں میں اپنے محلات وبنگلات کی راحت وسکون کو قربان کرتے ہوئے قیام کرتے ہیں، پھر میدانِ عرفات میں خیمہ زن ہوتے ہیں جہاں نہ سردی وگرمی سے بچاؤ کا انتظام، نہ دھوپ وبارش سے سر چھپانے کا کوئی نظم، اُس میدان میں بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں، عرب وعجم، کالے اور گورے، فقیر وامیر، رئیس ومزدور، خوش حال ومفلس، عالم وجاہل اور نامور وگمنام سب ایک ہی لباس میں ملبوس، آج کس سے کس کو پہچانا جائے؟

آج وہ دن ہے کہ خود مالک اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے

آج کا یہ دن عشاق کی نوازشوں وعنایتوں کا ہے، آج کی رحمتوں کی نہ کوئی حد ہے، نہ حساب، نہ کوئی اندازہ ہے نہ پیمانہ، بڑے بڑے مجرم آج رہا کئے جاتے ہیں، سب کو عفو کی بشارت ہوتی ہے، محبوب ہمہ رحمت ومرحمت اور ہمہ شفقت ومغفرت ہے، اُس کی تجلیاتِ رحمت امت کے بڑے سے بڑے تباہ کار کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہیں اور اسی کو مولیٰ اپنے بندوں سے قریب آجانے سے تعبیر کرتا ہے اور بندوں نے تو اپنے مالک پر خدا معلوم کتنی بار فخر کیا ہوگا، آج وہ دن ہے کہ خود مالک اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے۔

آج کا دن دعا، مناجات، توبہ واستغفار، الحاح وزاری جھکنے اور گڑگڑانے کے لیے مخصوص ہے جتنا اور جہاں تک ممکن ہو، مانگنے کا دن ہے، ہمہ جود وکرم اور ہمہ بخشش وعطا، بے حساب دینے والا بخشنے اور لٹانے پر آجائے، تو خاک کا پتلا جو ہمہ فقر، ہمہ طلب، ہمہ احتیاج اور ہمہ درماندگی ہے، مانگنے میں اور طلب کرنے میں کوئی کسر کیوں اٹھا رکھے؟ دین ودنیا کی نعمتوں کا کوئی ارمان اور کوئی حوصلہ دل میں کیوں رہنے دے؟ ان ہی ربانی نوازشوں جود وکرم کو شیطان دیکھ کر اپنے سر پر خاک انڈیلتا اور ذلیل وخوار ہوتا رہتا ہے۔

سمجھے تھے سیہ کاری اپنی ہے، فزوں حد سے
دیکھا تو کرم تیرا، اُس سے بھی سوا پایا

اعمالِ حج میں رکنِ اعظم یہی وقوفِ عرفہ ہے، جہاں نماز ظہر اور عصر کو جمع کرتا ہے اور امیر حج خطبہءحج پڑھتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سورج پسیلا پڑتا ہے، دلوں میں عجیب مسرت وفرحت محسوس ہوتی ہے چاروں طرف سے صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں کہ حج ہوگیا اور ایک دوسرے کو گرم جوشی کے ساتھ مبارک بادیاں دینے لگتے ہیں، پھر مزدلفہ کی پہاڑی میں رات بسر کرنے کے لیے چل دیتے ہیں۔

مزدلفہ سے منی کے میدان میں رمی جمرات،قربانی اور حلق کے واجبات ادا کرنے کے بعد دوبارہ مولیٰ کے دربار میں حاضری دیتے ہیں جو حج کا دوسرا رکن ہے،اب یہ عاشقانِ خدا بقولِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخشے بخشائے اپنے گھروں کی طرف اس طرح لوٹتے ہیں جیسے اُن کی ماں نے انہیں آج ہی جنم دیا ہو۔

نور کی بستی مدینے کی طرف

جلالِ الٰہی کے تجلیات سے سرشار ہوکر، جمالِ محمدی کے لیے بے قرار بحالتِ اشتیاق واضطراب ''منزل'' مدینۃ الرسول۔ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّعَظَمَۃً۔ ہے جہاں کی حاضری ہر غلام کی زندگی کی آخری آرزو وارمان ہوتی ہے؛ کیوں نہ ہو؟ خود آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: میرے روضے کی حاضری میری زندگی کی حاضری ہے؛ لیکن مرادِ شہہ لولاک بھلائیں بھول نہ پائیں، مدینے کی گلیاں، وہاں کے سحر وشام، گنبدِ خضراء کا پرکشش نظارہ، منبر ومحراب، روضہءنبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاموش وپرکیف منظر، رفیقانِ روضہ، جنت البقیع اور بہت کچھ۔۔۔

التجاء

مولیٰ ہر بے کس کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے! ہر مفلس کا آسرا تیرا ہی دستِ کرم ہے! تو زندگی میں اپنے گھر کی شرف یابی سے مالا مال فرما اور بارہا فرما! مردوں کو جِلانے والے مولیٰ! بے کسوں کی دست گیری کرنے والے آقا! دلوں کے زخم پر مرہم رکھنے والے پروردگار! دعاؤں کو قبول کرنا تیرے قبضہءقدرت میں ہے اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، لہٰذا ہم تمام کو اپنے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار کی حاضری کی توفیق اور سعادت بار بار

نصیب فرما!آمین یارب العلمین

عبداللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدیٰ، بنگلور

۱۹/ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۱ء

ان سطروں میں واقعی میرے دلی جذبات وتڑپ کا اظہار ہے، آج بھی میرے جذبات میں موجوں کا تلاطم ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء میں مع رفیقہء حیات سفرحج کی سعادت سے مالامال فرمایا، آج ان جذبات کے الفاظ کے رموز واوقاف کو درست کررہا ہوں، تو میرے کریم آقا سے میرے کمزور دل میں یہ یقین سا پیدا ہو رہا ہے کہ میرا مولی دوبارہ مجھے عرفات کی حاضری نصیب فرمائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

عبداللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدی، بنگلور

۲۳/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۵/جولائی ۲۰۲۰ء



قربانی کے دنوں میں اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا سب سے افضل عمل

مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، إِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا. وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ مِنَ الْأَرْضِ، فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا.

(رواه الترمذی عن عائشہ رضی اللہ عنہا، کتاب الاضاحی، باب ما جاء فی فضل الاضحیة: ١٤٩٣)

قربانی کے دنوں میں اللہ کے نزدیک اُس کے نام پر جانور ذبح کرنے سے زیادہ کوئی محبوب وپسندیدہ عمل نہیں ہے، قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے بال، کھر اور سینگوں سمیت آئے گا، قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے حضور پہنچ جاتا ہے، اس لیے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

قربانی اور احکام ذی الحجہ

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

ذی الحجہ کا مہینہ حج اور قابلِ احترام مہینوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دسویں ذی الحجہ کی صبح اور اس کی راتوں کی قسم کھائی ہے، حج کی عظیم عبادت اور قربانی کا عمل اسی ماہ میں ادا کیا جاتا ہے، حرمِ محترم میں اسلامی اور دینی شعائر کی تعظیم کا خوب اظہار ہوتا ہے، عام دنوں میں نہ حج کی عبادت کی جاسکتی ہے، نہ قربانی، عام دنوں میں عمرہ کیا جاسکتا ہے، اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اس کا نام قربانی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامٍ أَفْضَلَ مِنْهَا فِي هَذِهِ، قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ.

(رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، کتاب الجمعۃ، باب فضل العمل فی ایام التشریق: ۹۶۹)

عشرۂ ذی الحجہ میں اعمال صالحہ دیگر ایام کی بنسبت نہایت افضل ہیں، صحابہ نے عرض کیا، جہاد سے بھی زیادہ افضل ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اس عشرے میں نیک اعمال جہاد سے زیادہ افضل ہیں، الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان اور مال کو خطرہ میں ڈال کر جہاد میں جائے اور ان میں سے کسی چیز کو واپس لے کر نہ لوٹے۔

یعنی اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں جائے اور سخت وخطرناک حالات میں بھی واپس لوٹے بغیر آگے بڑھتے ہوئے شہید ہوجائے، وہ شخص اُس آدمی سے زیادہ افضل ہوسکتا ہے جو اس عشرے میں عام نیک اعمال میں مشغول ہو۔

سب سے افضل دن یوم النحر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ وَلَا أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعَمَلُ فِيهِنَّ مِنْ هَذِهِ

الْأَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيلِ، وَالتَّكْبِيرِ، وَالتَّحْمِيدِ.
(رواه احمد عن ابن عمر: ٦١٥٤)

اللہ کے نزدیک سب سے عظیم اور عمل کے اعتبار سے محبوب ترین ایام عشرۂ ذی الحجہ ہے، لہٰذا ان ایام میں ''لا الہ الا اللہ'' ''اللہ اکبر'' ور ''الحمد للہ'' خوب کثرت سے پڑھا کرو۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عشرۂ ذی الحجہ میں بازاروں کی طرف نکل جاتے اور تکبیر کہتے۔ (رواہ البخاری تعلیقاً فی باب فضل العمل فی ایام التشریق ۱۳۲/۱)

افضل الایام عند اللہ یوم النحر، ثم یوم القر. (زاد المعاد ۱۸/۱)

اصح قول کے مطابق سب سے افضل دن یوم النحر ہے جو عشرۂ ذی الحجہ میں آتا ہے۔

حافظ ابن القیمؒ اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

ذی الحجہ کے دس ایام رمضان کے آخری عشرے کے ایام سے افضل ہیں، اس لیے کہ اس میں یوم عرفہ اور یوم النحر ہیں اور رمضان کے اخیر عشرے کی راتیں ذی الحجہ کے پہلے عشرے کی راتوں سے افضل ہیں، اس لیے کہ رمضان کے اخیر عشرے میں شب قدر ہے۔
(زاد المعاد ۱/ ۱۹، تفسیر ابن کثیر سورۃ الحج ۳/ ۲۸۹)

عشرۂ ذی الحجہ میں مطلقاً اعمال صالحہ کی فضیلت واہمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بطور خاص بعض اعمال کو ضروری قرار دیا ہے اور بعض اعمال کی خصوصی فضیلت بیان فرمائی ہے، جن میں دو بڑی عبادتیں حج اور قربانی ہیں، تکبیر تشریق اور یوم عرفہ کا روزہ ہے، حج چوں کہ مستقل عنوان ہے، اس وجہ سے ذی الحجہ کے بقیہ خصوصی احکام کو ذیل میں بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے۔

ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال اور ناخن نہ کاٹنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَتِ الْعَشْرُ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهِ وَبَشَرِهِ شَيْئًا.

(رواہ مسلم عن ام سلمة، کتاب الصید والذبائح، باب من دخل علیه عشر ذی الحجة: ۱۹۷۷)

جب ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ شروع ہوجائے اور تم میں سے کسی کو قربانی (بطور واجب

یانفل) کرنے کا اراداہ ہو، تو اس کو چاہئے کہ اپنے بال اور ناخن قربانی کا جانور ذبح کرنے تک نہ کاٹے۔

مذکورہ حدیث کی بناء پر فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو شخص (بطور واجب یانفل) قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے لیے ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کا جانور ذبح کرنے تک بال اور ناخن نہ کاٹنا مستحب ہے۔

یوم عرفہ کا روزہ

مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ، يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ، وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ.

(رواه الترمذی عن ابی ہریرۃ ﷺ باسناد ضعیف، کتاب الصوم، باب ماجاء فی العمل فی الایام العشر: ۷۵۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت کے لیے عشرہ ذی الحجہ سے افضل و محبوب کوئی دوسرے ایام نہیں ہیں، ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر اور ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ.

(رواه مسلم عن ابی قتادۃ ﷺ، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلثۃ ایام: ۱۱۶۲)

میں اللہ کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ''عرفہ'' کے روزے کی برکت سے گذشتہ سال اور آئندہ سال کے گناہ معاف فرمائیں گے۔

مذکورہ احادیث کی بنار پر غیر حاجی کے لیے ''عرفہ'' کے دن کا روزہ مسنون ہے۔

تکبیرِ تشریق

نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک تیئیس نمازوں میں ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیرِ تشریق پڑھنا خواہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہو، یا انفرادی طور پر، مقیم ہو

، یا مسافر، شہری ہو، یا دیہاتی، مرد ہو یا عورت اتنی بلند آواز سے پڑھنا کہ اپنے کانوں تک آواز پہنچے، واجب ہے۔ (بدائع الصنائع ۱/۴۵۸)

تکبیرِ تشریق جو حضرت ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، وہ یہ ہے، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی تکبیر تشریق الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔

اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. (رواه ابن شيبة عن عبدالله بن مسعود، كتاب العيدين، باب التكبير من اى يوم: ۵۶۳۳، بدائع الصنائع ۱/۴۵۸)

عید

خوشی ومسرت، الفت ومحبت، مواسات، وہم دردی، یگانگی ویکجہتی، کے اظہار کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے سال میں دو دن عید کے لیے مقرر فرمائے ہیں، ایک ''عید الفطر'' جو رمضان المبارک میں روزہ وافطار، سحری وتراویح، نالۂ نیم شبی باہِ سحر گاہی، تلاوتِ قرآن پاک اور ذکرِ الٰہی کی توفیقِ خداوندی میسر آنے پر اجتماعی شکرانہ کے طور پر بندہ دوگانہ ادا کرتا ہے۔

دوسرے ''عید الاضحیٰ'' مذہبِ اسلام کی ایک عظیم عبادت فریضۂ حج کی تکمیل پر ادا کی جاتی ہے، نیز عید الاضحیٰ سنتِ ابراہمی کی یاد تازہ کرتی ہے، اسی دن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے محبوبِ حقیقی کے حکم سے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلائی تھی، اس تاریخی واقعے پر زمین بھی حیران اور آسمان بھی دنگ رہا ہوگا اور چرند وپرند مجسم حیرت بنے رہے ہوں گے، تاریخ اس دن اور واقعے کو فراموش نہیں کرسکتی ۔

نمازِ عید کا طریقہ

اس طرح نیت کرے کہ میں اللہ کے لیے ''عید الفطر'' یا ''عید الاضحیٰ'' کی دو رکعت واجب نماز چھ زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھتا ہوں، پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور ثناء پڑھے، اس کے بعد ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور ہاتھ چھوڑ دے،

پھر دوسری بار ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور ہاتھ چھوڑ دے، پھر تیسری بار ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور ہاتھ باندھ لے، پھر امام صاحب سورۃ الفاتحہ اورضم سورت پڑھیں گے، پھر رکوع اور سجدے کر کے دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں گے۔

دوسری رکعت میں امام صاحب سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھیں گے، رکوع میں جانے سے پہلے ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور ہاتھوں کو چھوڑ دیں، پھر دوسری دفعہ ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور ہاتھوں کو چھوڑ دیں، پھر تیسری دفعہ ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے، ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں اور چوتھی مرتبہ ہاتھ اٹھائے بغیر ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے رکوع میں جائیں گے، بقیہ نماز مکمل کریں گے۔

عید کی سنتیں

مسواک کرنا، غسل کرنا، پاک صاف اور عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، عید گاہ جانے سے پہلے عید الاضحیٰ میں کچھ نہ کھانا، نماز کے بعد اگر قربانی کرے، تو اس سے کھانا کی ابتداء کرنا، عید الفطر میں کچھ کھا کر جانا، (کھجور یا کوئی میٹھی چیز)، صدقۃ الفطر ادا کر کے جانا، عید گاہ جلد جانا، عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا، ایک راستے سے جانا، دوسرے راستے سے واپس آنا، پیدل جانا، عید گاہ، جاتے وقت عید الاضحیٰ میں بلند اور عید الفطر میں پست آواز سے تکبیر تشریق پڑھتے ہوئے جانا۔ (بدائع الصنائع ۱/ ۶۲۴)

قربانی کی مشروعیت اور فضیلت

اللہ کی رضا وخوش نودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے مخصوص قسم کے جانوروں کو مخصوص ایام میں ذبح کرنا قربانی کہلاتا ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ۹/ ۴۵۲)

قربانی ایک عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ قربانی کا حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا، قرآن کریم میں فرمایا گیا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. (الکوثر: ۲)

اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس سال قربانی کرتے رہے۔

(رواہ الترمذی عن ابن عمر باسناد حسن:۱۵۰۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے

مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، إِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا، وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ مِنَ الْأَرْضِ، فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا.

(رواہ لترمذی عن عائشہ ﷺ، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی فضل الاضحیۃ:۱۴۹۳)

قربانی کے دنوں میں اللہ کے نزدیک اُس کے نام پر جانور ذبح کرنے سے زیادہ کوئی محبوب وپسندیدہ عمل نہیں ہے، قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے بال، کھر اور سینگوں سمیت آئے گا، قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے حضور پہنچ جاتا ہے، اس لیے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

یعنی انسان جانور کے جن اعضاء کو بے فائدہ سمجھتا ہے اور اس کو پھینک دیتا ہے، وہ اجزاء بھی قیامت کے دن قربانی کے جانور پر دوبارہ آجائیں گے، جو اجزاء کارآمد تھے، خود استعمال کیا، غرباء وفقراء کو دیا، قربانی کا جانور قیامت کے دن اُن اجزاء کے ساتھ بدرجہء اولیٰ آئے گا، نامہء اعمال میں تولا جائے گا، لہذا اللہ کو راضی کرنے کے لیے قربانی کرو، تنگ دست ہو، تو قربانی میں خرچ ہونے والی رقم کے سلسلے میں تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کرو، نہ قربانی کو بوجھ سمجھو، اللہ نے وسعت دی ہے، تو قربانی ریاکاری، شہرت، ناموری اور لوگوں کو دکھانے کے لیے نہ کرو، جس حال میں ہو، اس حال میں قربانی کے عمل سے اللہ کی رضامندی طلب کرنے کی کوشش کرو۔

قُلْتُ: أَوْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ مَا هَذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ. قَالُوا: مَا لَنَا مِنْهَا؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ فَالصُّوفُ؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ.

(رواہ احمد عن زید بن ارقم: ۱۹۲۸۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے (روحانی اور نسبی) باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی سنت ہے، صحابہ نے عرض کیا: ہمیں اُن قربانیوں میں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔

قربانی کن لوگوں پر واجب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ، وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا.

(رواہ بن ماجۃ عن ابی ہریرۃ ﷺ، کتاب الاضاحی، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا: ۳۱۲۳)

جو شخص مالی استطاعت (قربانی کی شرعی شرائط) رکھتا ہو، پھر وہ قربانی نہ کرے، تو وہ شخص ہرگز ہمارے عیدگاہ نہ آئے۔

قربانی ہر ایسے عاقل بالغ مقیم مسلمان پر واجب ہوتی ہے جس کی ملکیت میں ستاسی گرام (۸۷) سونا، یا چھ سو بارہ گرام (۶۱۲) چاندی، یا ان دونوں کی قیمت کے برابر کسی بھی قسم کا مال (جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہو، یا زکوۃ واجب نہ ہوتی ہو) ضرورت اصلیہ سے زائد ہو۔ (بدائع ۴/۱۹۶)

حاجات اصلیہ: رہنے کا گھر، گھریلو ضروری سامان، سواری، کپڑے، نیز پیشہ ور لوگوں کے لیے کام کے ضروری آلات وغیرہ ہیں۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۲۹۲)

مسئلہ: ضروریاتِ اصلیہ سے مال زائد ہے؛ لیکن مقروض ہے اور ان چیزوں کی مالیت قرض کے برابر ہے یا زائد ہے؛ لیکن زاید مقدار بقدر نصاب نہیں ہے، تو اُس شخص پر قربانی واجب نہیں۔ (بدائع ۴/۱۹۶)

مسئلہ: قربانی کے واجب ہونے کے لیے نصاب پر سال کا گذرنا ضروری نہیں ہے، اگر عید الاضحیٰ کی صبح بھی بقدر نصاب مالک ہوجائے، تو اس شخص پر قربانی واجب ہوجائے گی۔

اگر کوئی شخص قربانی کے ابتدائی ایام میں محتاج وتنگ دست تھا؛ مگر آخری دن صاحبِ نصاب ہوگیا، تو بھی اُس پر قربانی واجب ہوجائے گی۔ (بدائع الصنائع ۱/۱۹۸)۔

مسئلہ: بچہ اور مجنوں کے مال میں اُس کے ولی پر قربانی واجب نہیں۔

(ردالمحتار ۹/۴۵۸)

مسئلہ: کسی شخص پر قربانی واجب نہیں تھی؛ لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور

خرید لیا، تو اب اس پر قربانی واجب ہوگئی۔ (بدائع الصنائع ۴/ ۱۹۲)

دوسروں کی طرف سے قربانی

اگر کسی دوسرے زندہ شخص کی طرف سے قربانی کرے، تو جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اُس شخص کی اجازت و اطلاع ضروری ہے، اجازت و اطلاع کے بغیر قربانی درست نہیں ہوگی، اگر قربانی کر بھی دے، تو اس کی طرف سے واجب ادا نہیں ہوگا؛ البتہ نابالغ اولاد ہو، تو نابالغ اولاد کی اجازت کے بغیر بھی قربانی درست ہوجائے گی۔ (فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۰۴)

میت کی طرف سے قربانی

میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ وہ ہر سال دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے، حضرت علیؓ سے پوچھا گیا: آپ ایک کے بجائے دو کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، اس لیے میں ایک قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا کرتا ہوں۔ (رواہ ابوداؤد، باب الاضحیۃ عن المیت: ۲۷۹۰)

اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی ہو، تو اپنی طرف سے بھی قربانی کرے اور اپنے مرحومین کی طرف سے بھی کرے، ماں، باپ، دادا، دادی، نانا نانی وغیرہ کی طرف سے بھی قربانی کرے؛ تاکہ ان کو بھی قربانی کا اجر وثواب پہنچ جائے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کی طرف سے قربانی دے سکتے ہیں۔

قربانی کے ایام

قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ خاص ہے، دوسرے دنوں میں قربانی کی عبادت نہیں۔

قربانی کے ایام ذی الحجہ کی دس تاریخ کی صبح سے بارہ تاریخ کے غروب آفتاب تک ہیں، ان دنوں میں جب چاہے، قربانی کی جاسکتی ہے؛ لیکن پہلے دن کرنا افضل ہے۔

(بدائع الصنائع ۱/ ۱۹۸)

مسئلہ: اگر قربانی کے دن گذر گئے، ناواقفیت، غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کر

سکا، توقربانی کی قیمت فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے؛ لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانوروں کی قیمت صدقہ کردینے سے واجب ادا نہ ہوگا، ہمیشہ گنہگار رہے گا۔ (بدائع ۴؍۲۰۳)

سنگین حالات میں قربانی کا حکم

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ جو شخص نصاب نامی یا نصاب غیر نامی کا مالک ہو، اس پر قربانی واجب ہے، اگر حالات ایسے ہوں کہ قربانی کرنا دشوار ہو (جیسے کرونا وائرس کے زمانے میں قربانی کے لیے دشواری پیش آئی تھی) تو ادائے واجب کے لیے پوری کوشش کرنا ایک مسلمان کی ذمہ داری اور اس کی ایمانی غیرت کا تقاضا ہے۔

لہٰذا واجب کی ادائیگی کے لیے مقامی خصاب سے رابطہ کریں اور چھوٹے جانور کی قربانی ادا کرنے کی کوشش ضرور کریں، دیہاتوں میں بطور خاص بہار، آسام اور کشمیر کے دیہاتوں میں بآسانی چھوٹے اور بڑے جانور دستیاب ہوجاتے ہیں، اپنے متعلقین کے ذریعہ وہاں قربانی کرائی جاسکتی ہے کہ قربانی بھی ادا ہوجائے گی اور غرباء ومساکین کا تعاون بھی ہوجائے گا، یہ صورت نہایت آسان ہے۔

اگر کسی بھی صورت سے قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کرسکے، توقربانی کے ایام گذر جانے کے بعد ایک متوسط بکرا جو قربانی کے لیے لائق، اس کی قیمت فقراء میں صدقہ کرنا لازم ہے، بڑے جانور کے ساتویں حصے کی قیمت کا صدقہ ادائے واجب کے لیے کافی نہیں ہوگا، نیز ایام قربانی میں قربانی کی حتی المقدور کوشش کئے بغیر ہی بکرے کی قیمت کا صدقہ کردینا بھی بالکل مناسب نہیں ہے۔

لو كان موسرا في جميع الوقت، فلم يضح حتى مضى الوقت ـ ـ ـ صار قيمة شاة صالحة للاضحية دينا في ذمته يتصدق بهامتى وجدها لان الوجوب قدتاكد عليه باخر الوقت.

(بدائع الصنائع، كتاب الاضحية، كيفية الوجوب ۴/۱۹۹)

منها انها تقضى اذا فاتت عن وقتها، ثم قضاءها قديكون بالتصدق بعين الشاة حية، وقديكون بالتصدق بقيمة الشاة، فان كان قدا وجب التضحية على نفسه بشاة بعينها، فلم يضحها حتى مضت ايام

النحر، فیتصدق بعینھا حیة سواء کان موسرا او معسرا.

(الفتاوی الھندیة ۲۹٤/۵ ومثلہ فی الدر المختار ۳۸۸/۹)

مولانا مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قربانی کے قابل متوسط درجے کی بھیڑ یا بکرے کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، بشرطیکہ قربانی کرنے والا غنی ہو، ورنہ واجب نہیں، سُبُع بقرہ (گائے کا ساتواں حصہ) کا تصدق کافی نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی ۴۸۰/۷)

قربانی کا وقت

جن بستیوں اور شہروں میں نمازِ جمعہ وعیدین جائز ہیں، وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کردی، تو اس پر دوبارہ قربانی لازم ہے؛ البتہ چھوٹے گاؤں جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں، یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں، ایسے ہی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہو سکے اور نماز عید کا وقت گذر گیا، تو وقت گذر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔ (جواہر الفقہ ۴۴۹/۱)

مسئلہ: قربانی دن میں کرنا افضل ہے، رات کو بھی جائز ہے؛ مگر خلاف اولیٰ ہے۔
(فتاوی ہندیہ ۲۹۶/۵)

قربانی کے جانور

بکرا، دنبہ، بھیڑ ایک شخص کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے، گائے، بیل، بھینس اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک ہی جانور کافی ہے، بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت اجرو ثواب کے حصول کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔ (بدائع ۲۰۷/۴، ہندیہ ۳۰۴/۵)

مسئلہ: بکرا بکری کے لیے ایک سال کا مکمل ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اتنا فربہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہے، تو وہ بھی جائز ہے، گائے، بیل، بھینس دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ (درمختار مع رد المحتار ۴۶۶/۹)

مسئلہ: اگر فروخت کرنے والا جانور کو عمر کے لحاظ سے قربانی کے قابل بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے اس کے بیان کی تکذیب بھی نہیں ہورہی ہے، تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: جن جانوروں کی سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو، یا بیچ سے ٹوٹ گئی ہو، تو اس

جانور کی قربانی جائز ہے، ہاں سینگ جڑ سے اکھڑ گئی ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے، تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (رد المحتار ۹/۴۶۷)

مسئلہ: خصی بکرے کی قربانی جائز؛ بلکہ افضل ومستحسن ہے۔

مسئلہ: اندھے، کانے، لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیر سے نہ جا سکے، اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔
(رد المحتار ۹/۴۶۹)

مسئلہ: جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں، یا اکثر نہ ہوں، تو اس جانور کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہ ہوں، تو اس کی بھی قربانی درست نہیں۔ (رد المحتار ۹/۴۶۸)

مسئلہ: اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا، پھر اس میں کوئی عیب مانعِ قربانی پیدا ہو گیا، اگر خریدنے والا غنی صاحبِ نصاب نہیں ہے، تو اس کے لیے اس عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے، اگر خریدار غنی صاحب نصاب ہے، تو اس شخص پر اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی لازم ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ۹/۴۷۱)

قربانی کا مسنون طریقہ

اپنی قربانی کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا افضل ہے اور خود ذبح کرنا جانتا نہیں، تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے؛ مگر ذبح کے وقت خود وہاں حاضر رہنا مستحب ہے۔
(البحر الرائق ۸/۳۲۸)

مسئلہ: قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں؛ البتہ ذبح کرتے وقت ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہنا ضروری ہے، جب جانور کو ذبح کرنے کے لیے قبلہ رخ لٹائے، تو یہ آیت پڑھے:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ. (رواہ ابو داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا: ۲۷۹۵)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعاء پڑھے

اللّٰهُمَّ تَقبّلهُ مِنِّي كما تقبلت مِن حَبِيبِكَ مُحمد وَخَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيهِما الصلوٰةُ السلام.

قربانی کے آداب

قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے۔ (بدائع الصنائع ۴/۲۱۹)

مسئلہ: قربانی کے جانور کا دودھ نکالنا، یا اس کا اون کاٹنا جائز نہیں، کسی نے ایسا کیا، تو اُس دودھ اور اون کو صدقہ کردے، اگر اپنے استعمال میں لے آیا، تو دودھ اور اون کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۱)

مسئلہ: قربانی سے پہلے چھری کو خوب تیز کرے، ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرے، ذبح کے بعد کھال اتارنے اور گوشت کے ٹکرے کرنے میں جلدی نہ کرے، جب تک کہ جانور پوری طرح ٹھنڈا نہ ہوجائے۔

(فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۰، مستفاداز ابوداود ۲/۳۸۹)

مسئلہ: عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں؛ لیکن جس شہر میں کئی جگہ عید کی نماز ہوتی ہو، تو اس شہر میں کسی بھی جگہ نماز عید ہوگئی، تو پورے شہر میں قربانی جائز ہوجائے گی، بہتر یہ ہے کہ خود عید کی نماز پڑھ لے، پھر اپنی قربانی کرے۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۲۹۶)

مسئلہ: قربانی کے جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوگیا، یا ذبح کے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آیا، تو اس کو بھی ذبح کردینا چاہئے، اگر بچہ کو ذبح نہیں کیا گیا اور قربانی کے ایام گذر گئے، تو زندہ بچے کو صدقہ کردینا چاہئے، اگر ضائع ہوگیا، یا اپنے استعمال میں لے آیا، تو اس کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۲)

کسی شخص پر قربانی واجب تھی، اس نے قربانی کا جانور خریدلیا، پھر وہ جانور گم ہوگیا، یا چوری ہو گیا، یا مر گیا، تو اس شخص پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے، اگر دوسرے جانور کی قربانی کے بعد پہلا جانور مل جائے، تو بہتر ہے کہ اس کی بھی قربانی کردے؛ لیکن اس کی قربانی پر واجب نہیں۔

اگر کوئی غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں تھی، اس نے قربانی کے لیے جانور خریدلیا، پھر وہ مر گیا، یا گم ہوگیا، تو اس شخص پر گم شدہ جانور کی جگہ دوسری قربانی واجب نہیں ہوگی، اگر گم

شدہ جانور قربانی کے دنوں میں مل جائے، تو اس کی قربانی کرنا واجب ہے اور ایام قربانی کے بعد ملے، تو اس جانور یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۶)

قربانی کا گوشت

جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں، تو گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے، اندازے سے تقسیم نہ کریں۔ (رد المحتار ۹/۴۶۰)

قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے رکھے، ایک حصہ احباب واعزہ میں تقسیم کرے اور ایک حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے، اگر کسی شخص کے اہل وعیال زیادہ ہوں، تو وہ تمام گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے، نیز مال دار، فقیر اور بے ایمان سب کو کھلا سکتے ہیں۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۰)

قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے، ذبح کرنے والے کی اجرت میں گوشت یا کھال دینا جائز نہیں، اجرت علاحدہ دینی چاہئے۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۱)

قربانی کی کھال

(۱) قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا مثلاً: مصلیٰ بنالینا، یا چمڑے کی کوئی چیز ڈول وغیرہ بنوالینا جائز ہے؛ لیکن اگر اس کو فروخت کیا، تو اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں؛ بلکہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۱)

(۲) قربانی کی کھال کسی خدمت کے معاوضے میں دینا جائز نہیں، کسی مسجد کے مؤذن یا امام وغیرہ کو بطور حق الخدمت دینا بھی درست نہیں۔

(۳) مدارس اسلامیہ کے غریب اور نادار طلباء مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم نبوت کے حاصل کرنے میں مصروف ہیں، قربانی کی کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے، احیائے دین کی خدمت بھی۔

عبد اللطیف قاسمی

۲۲/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ

جامعہ غیث الہدی، بنگلور

امم سابقہ میں قربانی کا رواج تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے، نیز اقوام عالم یہود اور نصاری میں قربانی مشروع تھی ، ہندوستان میں بعض مذہب والے خاص موسم ومخصوص تہوار کے موقع پر آج بھی اپنے بتوں کے سامنے ان کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں؛ لیکن لوگوں کو صرف امت محمدیہ کی قربانی پر شبہات پیش آتے ہیں ، ہماری قوم کا دانش ور، مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ اسی امت کو مفید مشوروں سے نوازتا نظر آتا ہے۔

قربانی اور عقل انسانی

قربانی پر کئے جانے والے شبہات اور ان کے جوابات

قربانی ابتدائے انسانیت سے آج تک ہر قوم میں کسی نہ کسی صورت میں رائج رہی ہے، امم سابقہ میں قربانی کا رواج تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے، نیز اقوام عالم یہود اور نصاریٰ میں قربانی مشروع تھی ، ہندوستان میں بعض مذہب والے خاص موسم ومخصوص تہوار کے موقع پر آج بھی اپنے بتوں کے سامنے ان کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ؛لیکن لوگوں کو صرف امت محمدیہ کی قربانی پر شبہات پیش آتے ہیں، ہماری قوم کا دانش ور، مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ اسی امت کو مفید مشوروں سے نوازتا نظر آتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ. (المائدۃ:۲۷)

جب (حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی) دونوں (بیٹوں) نے قربانی پیش کی، تو ان دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٨٣﴾. (آل عمران:۱۸۳)

ان لوگوں (یہود) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جس کو آگ کھالے، کہہ دو کہ مجھ سے پہلے رسول معجزات کے ساتھ تمھارے پاس آئے اور انہوں نے وہ بات بھی پیش کی جس کا تم نے مطالبہ کیا، تو پھر تم نے ان کو قتل کیوں کیا، اگر تم سچے ہو۔

یعنی گذشتہ انبیاء کے زمانے میں ایسی قربانی کا دستور تھا کہ قربانی کی اشیاء کو ایک جگہ رکھ دیا کرتے تھے، آگ آتی اور ان کو جلا دیا کرتی، آسمانی آگ کا جلا دینا قربانی قبول ہونے کی

علامت ہوتی تھی۔

مسلم یا مسلمان: احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے یا گردن جھکانے والے کو کہتے ہیں، مسلمان کا جذبۂ ایمانی ہمیشہ اُسے تیار رکھتا ہے کہ جو بھی حکمِ الٰہی اس کو دیا جائے، تو اس کو بجالاتا ہے، وہ اُسے بلا چوں و چرا قبول کرلیتا ہے؛ لیکن بعض کج رو، کج فہم اور کوتاہ نظر اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر رکھ کر قبول یا رد کرنے کی ناروا جسارت کرنے لگتے ہیں اور ایسے لوگ جب ذرائع ابلاغ کا حصہ بنتے ہیں، یا ذرائعِ ابلاغ تک ان کی رسائی میں کوئی مشکل نہ ہو، تو وہ اسلامی احکام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور اپنی کج فہمی کے مسموم جراثیم مسلمانوں کے درمیان عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی احکام میں ایک اہم اور پرُحکمت حکم ''قربانی'' بھی ہے جو امتِ مسلمہ سالانہ بجالاتی ہے اور بھرپور جذبۂ ایمانی سے ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے؛ مگر بعض غیر مسلم، ملحدینِ اسلام، تجدد پسند مسلمان اور بعض نادان غیر مقلدین اس سنتِ ابراہیمی سے متعلق اپنے فاسد خیالات کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، زیر نظر مقالے میں قربانی سے متعلق اس طرح کے سطحی شکوک وشبہات کا علمی جائزہ لیا جائے گا۔

اس مضمون کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(الف): غیر مسلم وملحدینِ اسلام کے شبہات وتلبیسات

(ب): تجدد پسند اور روشن خیال حضرات کی خام خیالی

(ج): غیر مقلدین حضرات کے شبہات

اس لیے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر ان ہی تین قسم کے لوگوں کے لغو، وبے جا اور بے معنی تلبیسات وشبہات کو عام کیا جاتا ہے اور امت مسلمہ کو ذہنی انتشار میں مبتلا کیا جاتا ہے۔



غیر مسلم وملحدینِ اسلام کے شبہات وتلبیسات

(۱) کیا قربانی عقل انسانی کے خلاف ہے؟

بعض غیر مسلم، ملحدینِ اسلام اور مستشرقین قربانی پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں قربانی کی اصل ہی عقلِ انسانی کے خلاف ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں، ؛ حالاں کہ قرآن کا اعلان ہے کہ قربانی گویا قتل ہے اور قتل کی سزا ہمیشہ کے لیے جہنم ہے، نیز بچوں کو تو جہاد میں بھی قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، ؟ پھر معصوم بچے کو ذبح کرنے کی گنجائش کیسے دی جاسکتی ہے؟ الغرض عقل کبھی بچے اور بالخصوص اپنے معصوم بچے کے قتل کو تسلیم نہیں کرسکتی؟

جواب

اگر قربانی کی حقیقت پر نظر ہو، تو یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوگا، قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی امانت کو اُس کے حکم کے موافق قربان کردینا، خواہ وہ ہماری عقل کے موافق ہو، یا اس کے خلاف، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، بیٹا خدا کا دیا ہوا تھا، اُس کے حکم کو پورا کرنا ایک مطیع وفرماں بردار اور وفادار بندے کی ذمہ داری ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی، انہوں نے اللہ سے یہ نہیں پوچھا کہ اے اللہ! جو بچہ مجھے برسہا برس دعائیں مانگنے کے بعد ملا، آخر اس کا قصور کیا ہے؟ اگر قصور بھی ہے، تو اس کو ذبح کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ نہیں، اس لیے کہ جہاں اور جس کام میں اللہ کا حکم آجاتا ہے، وہاں چوں وچرا کی گنجائش نہیں رہتی ؛ بلکہ ایک فرماں بردار بندے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے۔

(۲) کیا قربانی جذبۂ رحم کے خلاف اور درندگی ہے؟

غیر مسلموں کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جانوروں کو قربانی

کے نام پر قتل کرنا درندگی ہے، یہ حد درجہ بے رحمی اور بے مروتی ہے؛ حالاں کہ یہ اعتراض اپنے آپ میں ایک حماقت ہے، ذرا غور کریں کہ کیا اس جیوہتیا (جانور کا قتل) سے بچنا ممکن بھی ہے؟ آپ جب پانی یا دودھ کا ایک گلاس اپنے حلق سے اُتارتے ہیں، تو ان میں موجود سینکڑوں جراثیم مرجاتے ہیں، پھر آپ جن دواؤں کا استعمال کرتے ہیں، وہ آپ کے جسم میں پہنچ کر کیا کام کرتی ہیں؟ دوائی کا کام تو یہی ہے کہ جو نقصان دہ جراثیم آپ کے جسم میں پیدا ہو گئے ہوں اور پنپ رہے ہوں، ان کا خاتمہ کردیں، جانور کا قتل یا ''جیوہتیا'' کے broad concept کے ساتھ تو آپ پانی تک نہیں پی سکتے اور نہ دواؤں کا استعمال آپ کے لیے روا ہو سکتا ہے، پھر آج کی سائنس نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ جس طرح حیوانات میں زندگی اور روح موجود ہے، اسی طرح پودوں میں بھی زندگی ہے اور نباتات بھی احساسات رکھتے ہیں۔

خود ہندو فلسفے میں بھی پودوں میں زندگی مانی گئی ہے، سوامی دیانند جی نے ''آواگون'' میں روح کے منتقل ہونے کے تین قالب قرار دئے ہیں: انسان، حیوان اور نباتات، یہ نباتات میں زندگی کا کھلا اقرار ہے، تو اگر 'جیوہتیا' سے بچنا ہے، تو نباتاتی غذا سے بھی بچنا ہوگا، گویا اس کائنات میں ایسے انسانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں جو مکمل طور پر جیوہتیا سے بچ کر جینا چاہتے ہوں۔

کیا دنیا میں جانور ایک دوسرے کا شکار نہیں کرتے؟ دنیا کی ساری چیزیں اللہ نے انسان کے فائدے کے لیے بنائی ہیں، کیا جانوروں پر ہل جوتنے کا بوجھ ڈالنا، بے رحمی نہیں ہے؟ اگر کسی جان کو مارنا بے رحمی ہے، تو ہم مکھی اور مچھر بھی نہیں مار سکتے، جراثیم بھی نہیں مار سکتے۔

اس پوری بحث سے یہ بات وضاحت ہو جاتی ہے کہ جس دلیل سے ہم گوشت نہیں کھا سکتے، اُسی دلیل سے ہم سبزی بھی نہیں کھا سکتے؛ کیوں کہ زندگی ہر چیز میں ہوتی ہے۔

اگر ہم گوشت اور سبزی کی حقیقت الگ الگ بھی مان لیں، تو وہ ملک جہاں کھیتی نہیں ہو سکتی، صرف گھاس ہوتی ہے، وہاں لوگ کیا کھائیں گے؟ جو ملک سمندر کے کنارے ہیں، جہاں کھانے کو صرف مچھلی ملتی ہے، جیسے جاپان وہاں لوگ کیا کھائیں گے؟

شمالی امریکہ میں بسنے والی قوم کیا کھائے گی؟ جہاں نہ باغات، نہ کھیت؛ بلکہ صرف سیل اور وہیل کھاتے ہیں، یا بارہ سنگھے کا شکار کرتے ہیں، دنیا بھر میں جتنا گوشت کھایا جاتا ہے اگر

وہ نہ کھایا جائے اور جانوروں کو ہم بطور خوراک استعمال نہ کریں، تو دیگر اشیاء خوردنی کی کمی ہوجائے گی، قیمتیں بڑھ جائیں گی، بے کار مویشی ملکوں کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔

(۳) ایک عامیانہ اعتراض اور حضرت تھانویؒ کا حکیمانہ جواب

منکرین اسلام اور ملحدین کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی سامنے آتا ہے کہ زندہ جانوروں کے گلے پر چھری پھیر دینا بھی عقلِ سلیم کے خلاف ہے، یہ فعل مسلمانوں کی بے رحمی پر دلالت کرتا ہے، اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

''ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ سے زیادہ رحم کسی مذہب میں بھی نہیں ہے اور ذبحِ حیوان رحم کے خلاف نہیں؛ بلکہ ان کے حق میں اپنی موت مرنے سے مذبوح ہوکر مرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ خود مرنے میں قتل وذبح کی موت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر انسان کو ذبح کر دیا جایا کرے؛ تاکہ آسانی سے مرجایا کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ حالتِ یاس سے پہلے ذبح کرنا، تو دیدہ دانستہ قتل ہے اور حالتِ یاس پتہ نہیں چل سکتی؛ کیوں کہ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ مرنے کے قریب ہوگئے پھر اچھے ہوگئے۔

شبہ حیوانات میں کیا جائے کہ ان کی تو یاس کا انتظار نہیں کیا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ بہائم اور انسان میں فرق ہے، وہ یہ کہ انسان کا تو اِبقاء (باقی رکھنا) مقصود ہے، کیوں کہ خلقِ عالم سے وہی مقصود ہے، اسی لیے ملائکہ کے موجود ہوتے ہوئے اس کو پیدا کیا گیا؛ بلکہ تمام مخلوق کے موجود ہونے کے بعد اس کو پیدا کیا گیا؛ کیوں کہ نتیجہ اور مقصود تمام مقدمات کے بعد وجود میں آتا ہے، اس لیے انسان کے قتل اور ذبح کی اجازت نہیں دی گئی، ورنہ بہت سے لوگ ایسی حالت میں ذبح کر دیئے جائیں گے، جس کے بعد ان کے تن درست ہونے کی امید تھی اور ذبح کرنے والوں کے نزدیک وہ یاس کی حالت میں تھا اور جانور کا اِبقاء مقصود نہیں، اس لیے اس کے ذبح کی اجازت اس بنا پر دے دی گئی کہ ذبح ہوجانے میں ان کو راحت ہے اور ذبح ہو جانے کے بعد ان کا گوشت وغیرہ بقائے انسانی میں مفید ہے، جس کا اِبقاء مقصود ہے، اس کو اگر ذبح نہ کیا جائے اور یوں ہی مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، تو وہ مردہ ہوکر اس کے گوشت میں سمّیت کا اثر پھیل جائے گا اور اس کا استعمال انسان کی صحت کے لیے مضر ہوگا، تو اِبقاء انسان کا

وسیلہ نہ بنے گا۔

قصاص اور جہاد میں چوں کہ افناءِ بعض افراد بغرضِ اِبقاء جمیع الناس متیقن ہے، اس لیے وہاں قتل انسانی کی اجازت دی گئی؛ مگر ساتھ ہی اس کی رعایت کی گئی کہ حتیٰ الامکان سہولت کی صورت سے مارا جائے، یعنی قصاص میں جو کہ قتلِ اختیاری ہے، تلوار سے اور جہاد میں مثلہ وغیرہ کی ممانعت ہے۔ (اشرف الجواب، حصہ اول انیسواں اعتراض: ذبح کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب: ۶۷)

(۴) گوشت خوری سے انسان میں حیوانیت پیدا ہوتی ہے؟

بعض لوگ جو سبزی خور ہیں اور گوشت خوری پر مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ گوشت خوری سے انسان میں درندگی اور حیوانیت پیدا ہوتی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گوشت خوری انسانی فطرت کا حصہ ہے، جب سے دنیا وجود میں آئی ہے، تب ہی سے انسان گوشت کھا رہا ہے، دینِ اسلام سمیت دیگر مذاہب میں بھی گوشت خوری کو ممنوع نہیں کہا گیا ہے؛ بلکہ گوشت خوری کی ترغیب پائی جاتی ہے اور یہی چیز سائنسی، عقلی اور فطری طور پر صحیح بھی ہے اور انسانی جسم کی ساخت بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے؛ البتہ اسلام نے واضح طور پر درندوں اور خبیث جانوروں کے گوشت سے منع کیا ہے؛ تا کہ مسلمانوں میں درندگی اور خباثت نہ ہو۔

سائنسی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہوئی ہے کہ گوشت خوری کا اثر انسان میں شجاعت، بہادری، جوش وخروش، بے باکی اور اسی قسم کی دوسری صفات کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

دراصل گوشت نائٹروجن، چربی، نمکیات اور پانی کا مجموعہ ہوتا ہے، ہمارے جسم کے رگ وریشے زیادہ تر نائٹروجنی مرکبات سے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہمارا جسم مشقت، ورزش اور مختلف حرکات سے جب تحلیل ہونا شروع ہوجاتا ہے، تو اس کمی کو صرف نائٹروجنی غذا سے پورا کیا جاسکتا ہے، نائٹروجنی غذا ہی سے ہمارے جسم کی نشوونما ہوتی ہے، ماہرین غذا کا کہنا ہے کہ پروٹین نباتاتی غذاؤں کی نسبت گوشت میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔

''گوتم بدھ'' جن کو تم عدم تشدد اور رحم دِلی کا سب سے بڑا داعی مانتے ہو، کیا یہ گوشت نہیں

کھاتے تھے؟ ''گوتم بدھ'' نہ صرف گوشت خور تھے؛ بلکہ آخری وقت میں بھی گوشت کھا کر ہی ان کی موت ہوئی تھی۔

''کرشن''، ''رام'' اور ''شیو'' سے ''ساور'' کر تک سبھی نان ویج تھے، ساور کرنے ''گاندھی جی'' کو نان ویج نہ کھانے پر کہا کہ آپ بنا گوشت کھائے آزادی کی لڑائی کیسے لڑیں گے؟

ہندو دھرم کی کتاب ''منوسمرتی'' کے باب نمبر ۵ کے شلوک نمبر ۳۰ میں ہے: جو شخص (ان جانوروں کا) گوشت کھائے جن کا گوشت کھانا چاہیے، تو وہ کوئی بُرا کام نہیں کر رہا ہے، چاہے وہ ایسا روزانہ کرے؛ کیوں کہ خدا نے کچھ چیزیں کھانے کے لیے پیدا کی ہیں اور کچھ کو ان چیزوں کو کھانے کے لیے پیدا کیا ہے۔

''منوسمرتی'' چاپٹر نمبر پانچ، شلوک ۳۵ میں ہے: ''شاستر'' کی ودھی سے جو مانس شدھ ہوتا ہے، اس کو جو نہیں کھاتا، پرلوک میں اکیس جنم تک جانور ہوتا ہے۔

ہٹلر سے بھی بڑھ کر کوئی تشدد، ظلم وستم اور بے رحمی کا نمائندہ ہے؟ لیکن ہٹلر گوشت خور نہیں تھا، پھر بھی درندگی وحیوانیت اس کی مزاج میں انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی، اس کے بارے میں آتا ہے کہ ویج استعمال کرتا تھا، پھر بھی حیوان ودرندہ بنا ہوا تھا۔

(۵) کیا قربانی سے جانوروں کی نسل کُشی ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام چلا آرہا ہے کہ انسانوں یا جانوروں کو جس چیز کی جتنی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ اُس کی پیدائش اور پیداوار اُسی کے قدر بڑھا دیتے ہیں اور جس چیز کی جتنی ضرورت کم ہوتی ہے، اس کی پیداوار اتنی ہی کم ہو جاتی ہے، آپ پوری دنیا کا جائزہ لیں، جن ممالک میں قربانی کے اس عظیم الشان حکم پر عمل کیا جاتا ہے، کیا ان ممالک میں قربانی والے جانور ناپید ہو چکے ہیں؟ یا پہلے سے بھی زیادہ موجود ہیں؟! آپ کبھی اور کہیں سے بھی یہ نہیں سنیں گے کہ دنیا سے حلال جانور ختم ہو گئے، یا اتنے کم ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو قربانی کرنے کے لیے جانور میسر نہیں آئے، اس کے برخلاف کتے اور بلیوں کو دیکھ لیں، ان کی نسل دنیا میں کتنی ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ (سبا:۳۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے تمہیں اس کا بدل دے دیتے ہیں، کبھی دنیا میں اور کبھی آخرت میں اور کبھی دونوں میں۔

کائناتِ عالَم کی تمام چیزوں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے، انسان اور جانور اس کو بے دھڑک خرچ کرتے ہیں، کھیتوں اور درختوں کو سیراب کرتے ہیں، وہ پانی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا پانی اس کی جگہ نازل ہوجاتا ہے، اسی طرح زمین سے کنواں کھود کر جو پانی نکالا جاتا ہے، اس کو جتنا نکال کر خرچ کرتے ہیں، اس کی جگہ دوسرا پانی قدرت کی طرف سے جمع ہوجاتا ہے، انسان غذا کھا کر بظاہر ختم کرلیتا ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسری غذا مہیا کردیتے ہیں، بدن کی نقل وحرکت اور محنت سے جو اجزاء تحلیل ہوجاتے ہیں، ان کی جگہ دوسرے اجزاء بدل بن جاتے ہیں۔

غرض انسان دنیا میں جو چیز خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عام عادت یہ ہے کہ اس کے قائم مقام اُس جیسی دوسری چیز دے دیتے ہیں، کبھی سزا دینے کے لیے، یا کسی دوسری تکوینی مصلحت سے اس کے خلاف ہوجانا، اس ضابطۂ الٰہیہ کے منافی نہیں۔۔۔

اس آیت کے اشارے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء صرف انسان اور حیوانات کے لیے پیدا فرمائی ہیں، جب تک وہ خرچ ہوتی رہتی ہیں، ان کا بدل من جانب اللہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔

جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی پیداوار بھی بڑھا دیتے ہیں، جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ ان کو ذبح کرکے گوشت کھایا جاتا ہے اور شرعی قربانیوں اور کفارات وجنایات میں ان کو ذبح کیا جاتا ہے، وہ جتنے زیادہ کام آتے ہیں، اللہ تعالیٰ اتنی ہی زیادہ اس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں، جس کا ہر جگہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ بکروں کی تعداد ہر وقت چھری کے نیچے رہنے کے باوجود دنیا میں زیادہ ہے۔

کتے بلی کی تعداد اتنی نہیں؛ حالاں کہ کتے بلی کی نسل بظاہر زیادہ ہونی چاہیے کہ وہ ایک ہی

پیٹ سے چار پانچ بچے تک پیدا کرتے ہیں، گائے بکری زیادہ سے زیادہ دو بچے دیتی ہے، گائے بکری ہر وقت ذبح ہوتی ہے، کتے بلی کو کوئی ہاتھ نہیں لگاتا؛ مگر پھر بھی یہ مشاہدہ ناقابلِ انکار ہے کہ دنیا میں گائے اور بکروں کی تعداد بنسبت کتے بلی کے زیادہ ہے۔ ۔۔۔عرب نے جب سے سواری اور بار برداری میں اونٹوں سے کام لینا کم کر دیا، وہاں اونٹوں کی پیداوار بھی گھٹ گئی، اس سے اُس ملحدانہ شبہ کا ازالہ ہو گیا، جو احکامِ قربانی کے مقابلے میں اقتصادی اور معاشی تنگی کا اندیشہ پیش کر کے کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، سورۃ السبا ۷ / ۳۰۳)



تجدد پسند اور روشن خیال حضرات کی خام خیالیاں

(۱) تین دن میں سینکڑوں جانور ذبح کرنے سے ہمیں کیا ملے گا؟

بعض نام نہاد روشن خیال مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر یوں کہتے ہیں کہ قربانی کے تین دنوں میں سینکڑوں جانور ذبح کرنے سے ہمیں کیا ملے گا؟ قربانی کی رقم کو دیگر رفاہی کاموں میں استعمال کیا جائے، تو قوم کا بھلا ہوگا۔

یہ سوال درحقیقت قربانی کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر کیا جاتا ہے، اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قربانی کوئی رسم نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ذریعے ایک مزاج بنانا مقصود ہے، جسے فلسفۂ قربانی کا نام دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی حکم آجائے، تو ہم عقل کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے اللہ کے حکم کی پیروی کریں، اس کے حکم کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کریں، اسی کی تعلیم دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا اور حکم بھی صراحۃً نہیں ملا؛ بلکہ خواب کے ذریعے دیا گیا، تو انہوں نے ایک لفظ یوں نہیں کہا: اے اللہ! اس عمل میں میرے لیے کیا نفع ہے اور کیا نقصان؟ یہ حکم عقلِ انسانی کے خلاف ہے کہ بوڑھے باپ سے کہا جائے کہ اپنے اکلوتے لختِ جگر کو میرے نام پر ذبح کرو؛ بلکہ خدا کی طرف سے حکم آیا اور اس کی تعمیل کی، جس پر خود اللہ نے فرمایا: یہ بہت بڑا امتحان تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوگئے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے بتادیا کہ بیٹا خدا کی طرف سے ملی ہوئی نعمت اور اس کی امانت ہے، اس کو حق ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت اور امانت میں جو چاہے حکم دے، اس کے حکم کی تعمیل بندے کے لیے ضروری ہے۔

(۲) کیا قربانی فضول خرچی ہے؟

بعض روشن خیال لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قربانی کے بجائے اگر یہ کثیر مال عام مفید رفاہی

کام: ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے خرچ کیا جائے، تو معاشرے کے غریب اور مفلس طبقے کا بھلا ہو جائے گا، کوئی بھوکا نہیں رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فضول خرچی اُس خرچ کو کہتے ہیں جو بلاضرورت ہو، بے موقع خرچ کیا جائے، اس کو فضول خرچی کہتے ہیں، قربانی شرعی ضرورت ہے، عیدالاضحیٰ کے دن سب سے افضل عمل اللہ کے نزدیک قربانی ہے، اللہ سے قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اس کو بے موقع خرچ کیسے کہا جاسکتا ہے؟

انسان اپنے لیے سب کچھ کرے اور انسان کی ہر ایک سانس جس خالق کی عطا کردہ ہے، اس کے لیے ایک چھوٹی سی قربانی بھی پیش نہ کرسکے! اس کے حکم کو بجالانے کو فضول خرچی سے تعبیر کرے، یہ کس قدر ظلم وجہالت کی بات ہے۔

(۴) ایامِ قربانی میں عام رفاہی کاموں میں مال خرچ کرنا افضل ہے یا قربانی؟

جدیدِ تہذیب وتمدن کے دل دادہ اور مغربیت سے متاثر ذہنیت رکھنے والے اس ماہِ مبارک کے شروع ہوتے ہی سادہ لوح اور مذہب پسند مسلمانوں کا ذہن خراب کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ قربانی کی وجہ سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے، لاکھوں لوگوں کی رقمیں بلاوجہ ضائع ہوجاتی ہیں، اس کے بجائے اگر اتنا مال رفاہِ عامہ کے مفید کاموں، ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے خرچ کیا جائے، تو معاشرے کے غریب اور مفلس طبقے کا بھلا ہوجائے گا، یہ افراد بھی زندگی کی ضروری سہولتوں سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔

اس طرح منکرینِ قربانی اپنی عقلِ نارسا سے کام لیتے ہوئے بزعمِ خود قربانی کے نقصانات اور ترکِ قربانی کے فوائد بیان کرتے نظر آتے ہیں اور اس کی وجہ سے عام مسلمان اِن نام نہاد دانشوروں کے زہریلے پروپیگنڈے اور بہکاوے میں آ کر اسلام کے اس عظیم الشان حکم کو ترک کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

اگر قربانی کرنے کی بنسبت انسانیت کی فلاح وبہبود میں مال خرچ کرنا اتنا ہی افضل، موزوں ومناسب یا ضروری ہوتا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اہلِ ثروت اور صاحبِ نصاب مسلمانوں پر قربانی کے حکم کے بجائے غریب، سسکتی اور بدحال انسانیت پر مال خرچ

کرنا ضروری قرار دیا جاتا، جب کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر دور میں غریب اور نادار طبقہ موجود رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں بھی یہ طبقہ یقیناً موجود تھا؛ بلکہ ایسے افراد تو بکثرت موجود تھے، ؛لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جو اپنی امت کے لیے بہت ہی زیادہ شفیق اورمہربان تھے) نے اپنے زمانے کے اہلِ ثروت اور صاحبِ نصاب مسلمانوں کو اس عید کے موقع پر یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنا مال عام رفاہی کاموں، اسکولوں ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے خرچ کریں؛ بلکہ یہ حکم فرمایا کہ اس موقع پر اللہ کے حضور جانور کی قربانی پیش کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ماتے ہیں:

أَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي كُلَّ سَنَةٍ.

(سنن الترمذی، ابو اب الاضاحی، باب الدلیل علی ان الاضحیۃ سنۃ: ۱۵۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال قربانی کرتے رہے۔

صحابہ کرامؓ کا اس عظیم حکم کو ہمیشہ قائم ودائم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا ہی افضل، اولیٰ اور ضروری ہے۔

(۴) ایامِ قربانی میں قربانی افضل ہے یا نقد صدقہ؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ ایامِ قربانی میں قربانی کیا کرتے تھے، اگر ان حضرات کے نزدیک قربانی سے بہتر کوئی عمل ہوتا، تو وہ حضرات قربانی کی بجائے ضرور اسی کو اختیار کرتے؛ حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال برابر قربانی کرتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے

مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، إِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا، وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ مِنَ الْأَرْضِ، فَطِيبُوا

بِهَا نَفْسًا. (رواہ لترمذی عن عائشہ ﷺ، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی فضل الاضحیۃ: ۱۴۹۳)

قربانی کے دنوں میں اللہ کے نزدیک اُس کے نام پر جانور ذبح کرنے سے زیادہ کوئی محبوب وپسندیدہ عمل نہیں ہے، قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے بال، کھر اور سینگوں سمیت آئے گا، قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے حضور پہنچ جاتا ہے، اس لیے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا أُنْفِقَتِ الْوَرِقُ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ نَحِيرَةٍ فِي يَوْمِ عِيدٍ.

(سنن الدارقطنی، کتاب الاشربۃ، باب الصید والذبائح والاطعمۃ: ۴۷۵۲، رواہ البیہقی فی السنن الکبری: ۱۹۰۱۴)

کسی کام میں مال خرچ کیا جائے، تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے افضل نہیں ہوسکتا۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

قربانی کے ایام میں صدقہ کرنے کی بنسبت قربانی کرنا افضل ہے، امام ابوداؤد، امام ربیعہ اور ابوالزناد رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، کتاب الاضاحی ۸/۴، رقم المسئلۃ: ۷۸۵۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

احادیثِ مشہورہ کی بنا پر شوافع کے نزدیک ان دنوں میں صدقہ کرنے سے قربانی کرنا ہی افضل ہے،، اس لیے کہ اس دن قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے، بعض حضرات نے واجب کہا ہے، نفل عمل سے سنت اور واجب عمل کو انجام دینا بہتر ہے، یہی مسلک سلف صالحین کا ہے۔ (الجموع شرح المہذب، کتاب الحج، باب الاضحیۃ ۹/۷ ۳۳)

التضحية فيها أفضل من التصدق بثمنها لأنها تقع واجبة إن كان غنيا، وسنة إن كان فقيرا، والتصدق بالثمن تطوع محض، فكانت هي أفضل لأنها تفوت بفوات أيامها. (البحر الرائق، کتاب الاضحیۃ ۲/ ۳۲۲)

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

ایام قربانی میں قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے، اس لیے کہ اگر

آدمی مال دار ہے، تو قربانی واجب ہوگی، اگر فقیر ہے، تو سنت ہوگی، قربانی کی قیمت صدقہ کرنا محض نفل ہے، (واجب اور سنت بہر حال نفل سے افضل ہے) لہٰذا قربانی افضل ہوگی، اس لیے کہ ایام قربانی کے گذرنے جانے سے قربانی کا وقت بھی فوت ہو جاتا ہے۔

رفاہی کاموں کی افادیت اپنی جگہ مسلم

عام رفاہی مفید کام: ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی فلاح وبہبود، غریب، مساکین اور ناداروں لوگوں کی کفالت کے لیے اسلام نے زکاۃ، صدقۃ الفطر، عشر، کفارات، نذور، میراث اور دیگر وجوبی صدقات اور ہدایا وغیرہ کا نظام وضع کیا ہوا ہے، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا یتیموں کی کفالت اور خیر خواہی کا قرآن نے بار بار تاکیدی حکم دیا ہے۔

ان احکامات کو پوری طرح عملی جامہ پہنا کر مطلوبہ نتائج ومقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں، اسلام کے ایک عظیم الشان حکم کو مسخ کر کے تلبیس سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

معاشرے میں ہونے والی خرافات پر تفصیلی نظر ڈالی جائے، طرح طرح کی رنج رسومات میں ضائع ہونے والے اربوں وکھربوں کی مالیت کے روپئے کو کنٹرول کیا جائے۔

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

منکرینِ قربانی اپنی عقلِ نارسا سے کام لیتے ہوئے بزعمِ خود قربانی نقصانات اور ترکِ قربانی کے فوائد بیان کیے ہیں، مثلاً: یہ کہا ہے کہ قربانی کی وجہ سے جانوروں کی نسل کُشی ہوتی ہے اور لوگوں کی رقمیں بلاوجہ ضائع ہوتی ہیں، اگر یہ رقوم رفاہِ عامہ کے کسی مفید کام میں صَرف کی جائیں، تو کیا ہی اچھا ہو، وغیرہ وغیرہ؛ مگر یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو (جو حکیم علی الاطلاق ہے اور اس کا کوئی حکم عقل کے خلاف اور خالی از حکمت نہیں ہوتا) محض ان طفل تسلیوں سے کیوں کر رد کیا جاسکتا ہے؟ کیا اس کو قربانی کا حکم دیتے وقت یہ معلوم نہ تھا کہ قربانی سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے؟ اس کے یہ نقصانات ہیں؟

رب کے صریح احکام میں معاذ اللہ کیڑے نکالنا کون سا ایمان ہے؟ پھر جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح اور صریح قولی فعل اور اُمتِ مسلمہ کے عمل کو جو تواتر سے ثابت ہوا ہے، خلافِ عقل یا مضر بتانا کون سا دین ہے؟۔ (مسئلہ قربانی مع رسالہ سیف یزدانی، ص: ۱۲)

حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

بعض لوگ روحانیت سے غافل ہوکر یہ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ قوم کا اتنا روپیہ جو تین دن میں جانوروں کے ذبح پر ہر سال خرچ ہوجاتا ہے اور اس کا خاطر خواہ مفاد نظر نہیں آتا، اگر یہی پیسہ رفاہی اور قومی مفادات پر لگایا جائے، تو بہت فائدہ ہو۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور اہم عبادت ہے، جیسے: حج کرنا، زکاۃ دینا اور دوسری عبادات، تو کیا ان عبادات کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ فضول خرچی اور مال کو بے جا خرچ کرنا ہے؟! اس طرح تو دین کا بہت بڑا حصہ اور بہت سے دینی احکام ہی کا اسلام سے تعلق ختم ہوجائے گا، پس جب شریعت میں قربانی کا حکم ہے، تو اسے عقلی اعتراضوں اور ذہنی ڈھکوسلوں کا شکار بنانا کسی طرح درست نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں ہونے والی دوسری اور اصل فضول خرچیاں (جن کا شریعت نے حکم نہیں دیا ہے) اُن لوگوں کو نظر نہیں آتیں، جب کہ اصل میں تو ان کے ختم کرنے اور مٹانے کی ضرورت ہے، ملک کی کتنی بڑی تعداد ایسی ہے جو سگریٹ نوشی، منشیات، کرکٹ، ہاکی اور دوسرے کھیل، جوئے بازی، گھوڑ دوڑ، ناچ گانا، فحش پروگرام، انٹرنیٹ، ٹی وی، کیبل، وی سی آر، سینما، فضول تصویر سازی اور مووی بازی اور دوسرے فحش میڈیائی پروگرام، فحش اخبار و رسائل اور دیگر ناول اور ڈائجسٹ، بسنت، عید کارڈ، شادی کارڈ، گانوں اور دیگر غلط پروگراموں کی آڈیو و ویڈیو کیسٹیں اور سی ڈیز، ویڈیو گیمز، آتش بازی، شادی بیاہ، مرگ و موت اور غمی خوشی کی رسومات، مختلف فیشن، غیر شرعی بیوٹی پارلر وغیرہ کی زد میں ہے، جن کو چھوڑے اور توبہ کیے بغیر دنیا و آخرت کی فلاح اور کامیابی ملنا مشکل ہے، اگر یہی پیسہ اگر قومی اور رفاہی مفادات پر خرچ کیا جائے، تو بہت جلد ترقی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(ذوالحجہ اور قربانی کے مسائل واحکام: ۱۶۷)

ہمارے یہاں شادی بیاہ، تفریحِ طبع اور دیگر دعوتوں پر بے تحاشا رقوم خرچ کی جاتی ہیں، محض نمود و نمائش کے لیے قیمتی لباس زیبِ تن کیا جاتا ہے، روزانہ بہت سارا کھانا ضائع ہوجاتا ہے، ان تمام کاموں پر خطیر رقم خرچ کی جاتی ہے اور ایسا ہم روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

خود قربانی کے خلاف فیس بک پر لکھنے والوں کو اپنا لیپ ٹاپ اور آئی فون نہیں خریدنا چاہیے تھا، اس لیے کہ اسی رقم میں کسی غریب فیملی کا کئی ماہ کا راشن ہو جاتا، ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ جس رب نے امتِ مسلمہ کے لیے قربانی کو لازم قرار دیا ہے، اسی رب نے صاحبِ نصاب آدمی پر زکوۃ بھی فرض کی ہے اور اس کے علاوہ دیگر صدقات اور اطعام و انفاق کی بھی ترغیب دلائی ہے۔



غیر مقلدین حضرات کے شبہات

(۱) ایامِ قربانی تین دن نہ کہ چار دن

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ایامِ قربانی چار دن ہیں، ایامِ قربانی جمہور کے نزدیک تین دن: دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت انس ابن مالک اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔

اس باب میں کوئی مرفوع روایت نہیں ہے،؛ البتہ صریح وصحیح آثارِ صحابہ موجود ہیں جو حکماً مرفوع ہیں، اس لیے کہ قیاس سے کسی عبادت کے لیے وقت کی تعیین نہیں کی جاسکتی، غیر مقلدین جن آثارِ صحابہ سے استدلال کرتے ہیں، وہ منقطع، ضعیف اور محتمل روایات ہیں۔

علامہ ظفر احمد تھانویؒ نے ''اعلاء السنن'' میں اس سلسلے میں کافی وشافی بحث فرمائی ہے، اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: الْأَضْحَى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحَى، ومَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، مِثْلُ ذٰلِكَ.

(موطا، کتاب الاضحیة، الاضحیة عمافی بطن المرأة:، ١٧٧٤، ١٧٧٥)

عن أنس رضي الله عنه: الأضحى يوم النحر، ويومان بعده.

(صححه ابن حزم، المحلي بالاثار: ٦/٤٠، اعلاء السنن ١٧/٢٥٧)

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ عید الاضحیٰ کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔

چوتھے دن قربانی سے متعلق جو روایات ہیں، وہ منقطع اور مرسل ہیں۔

چناں چہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تینوں حضرات کا یہی مسلک ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں، ائمہ اربعہ میں سے تین ائمہ کرام کے یہاں چوتھے دن اگر کوئی قربانی کرے، تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔

قيل: أيام الذبح يوم النحر، وثلاثة أيام بعده، ورجحه الشوكاني، واحتج بما روي عن جبير بن مطعم وأبي هريرة وأبي سعيد رضي الله عنهم أن أيام التشريق كلها ذبح.

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَذَكَرَ مِثْلَهُ، وَقَالَ: كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ. (رواه احمد: ١٦٧٥٢)

والجواب عنه: أن ما روي عن أبي هريرة وأبي سعيد، ففي سنده معاوية بن يحيىٰ الصدفي، وهو واهٍ، ومع ذٰلك فقد اضطرب في الإسناد، فقال تارة: عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة. وأخرىٰ عن الزهري عن سعيد عن أبي سعيد، ورواه ابن أبي حاتم في العلل من طريق معاوية عن الزهري عن سعيد عن أبي سعيد، وحكى عن أبيه أنه قال: هو موضوع....

وقال ابن القيم في الهدي: إن حديث جبير بن مطعم منقطع لا يثبت أصله. (اعلاء السنن، كتاب الاضاحى، باب ان الاضحية يومان بعد يوم الاضحىٰ ١٧/٢٥٥-٢٥٤ دار الكتب العلمية بيروت)

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں معاویہ بن یحی صدفی ہے، جو بہت ضعیف راوی ہے، نیز یہ روایت مضطرب بھی ہے، امام ابوحاتم نے زہری عن سعید عن ابی سعید کی سند کو موضوع قرار دیا ہے، حضرت جبیر بن مطعم کی روایت مضطرب اور منقطع ہے۔

یہ وہ روایات ہیں جن کو غیر مقلدین بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

قربانی کے تین دن اتفاقی ہیں اور فضیلت رکھتے ہیں، قصداً انھیں چھوڑ کر اختلافی دن قربانی کرنا بلاشبہ احتیاط کے خلاف اور ضد اور ہٹ دھرمی کی بات ہے۔

مسئلہ: چوتھے دن ذبح کیا گیا جانور ہمارے نزدیک اگرچہ قربانی کا جانور نہیں ہے؛ لیکن غیر مقلدین چوں کہ مسلمان ہیں اور ان کا ذبیحہ حلال ہے، لہٰذا اسے عام گوشت کا ہدیہ سمجھ کر قبول کرنا اور اس کا کھانا جائز ہے۔

(۲) اونٹ میں کتنے لوگ شریک ہوسکتے ہیں

جمہور علماء کے نزدیک اونٹ کی قربانی میں سات افراد شریک ہوسکتے ہیں، اس کے برخلاف غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اونٹ میں دس افراد شریک ہوسکتے ہیں، غیر مقلدین کے ایک پمفلٹ جس کے مرتب ابو یاسر امین الرحمن عمری مدنی ہیں، انہوں نے لکھا ہے گائے میں سات گھرانے اور اونٹ میں دس گھرانے شریک ہوسکتے ہیں۔ **یاللعجب**

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ.

(رواہ مسلم، کتاب الحج، باب الاشتراک فی الھدی: ۱۳۱۸)

ہم نے حدیبیہ کے سال اونٹ سات افراد کی طرف سے اور گائے سات افراد کی طرف سے ذبح کی ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْجَزُورَ عَنْ سَبْعَةٍ.

اونٹ کو سات افراد کی طرف ذبح کیا جاسکتا ہے۔

غیر مقلدین کی پہلی دلیل

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَحَضَرَ الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً، وَفِي الْبَعِيرِ عَشَرَةً.

(رواہ الترمذی، کتاب الاضاحی، باب جاء فی الاشتراک فی الاضحیۃ: ۱۵۰۱)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ عید الاضحیٰ کا موقع آگیا، تو ہم گائے میں سات افراد اور اونٹ میں دس افراد شریک ہوگئے۔

جواب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ: عَلَيَّ نَاقَةٌ، وَقَدْ عَزَبَتْ عَلَيَّ، فَقَالَ: اشْتَرِ سَبْعًا مِنَ الْغَنَمِ، قَالَ: فَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْجَزُورَ عَدْلُهُ سَبْعَةٌ مِنَ الْغَنَمِ، فَكَشَفْنَا عَنْ ذٰلِكَ، فَوَجَدْنَا هٰذَا الْحَدِيثَ فَاسِدَ الْإِسْنَادِ.

(شرح مشکل الآثار: ۲۵۹۶)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ پر ایک اونٹ واجب ہے؛ لیکن دست یاب نہیں ہے، (اب میں کیا کروں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات بکریاں خرید لو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اونٹ سات بکریوں کے مساوی ہے، (پھر حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں دس افراد کے مساوی کیوں قرار دیا گیا ہے؟) اس لیے ہم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت تحقیق کی، تو پتہ چلا کہ وہ روایت غلط ہے۔

معلوم ہوا کہ حسین بن واقد کی سند میں کوئی خرابی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ روایت دیگر صحابہ کی روایات اور حضرت ابن عباسؓ کے فتوے کے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب

حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

اس روایت سے اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت پر استدلال تام نہیں ہے، اس لیے کہ یہ روایت اس باب میں صریح نہیں ہے؛ بلکہ محتمل ہے، اس طور پر کہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد شریک ہوئے ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ دس دس افراد کو کھانا پکانے کے لیے ایک ایک اونٹ دیا گیا، اس لیے کہ عید الاضحیٰ کا موقع ہے، خوشی ومسرت سے عید منائیں، دوسرے احتمال کی صورت میں قربانی میں دس افراد کی شرکت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد از: تحفۃ الالمعی ۳/۳۰۶)

غیر مقلدین کی دوسری دلیل

عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ جَمِيعًا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُرِيدُ زِيَارَةَ الْبَيْتِ لَا يُرِيدُ

حَرْبًا وَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ سَبْعِينَ بَدَنَةً عَنْ سَبْعِ مِائَةِ رَجُلٍ كُلُّ بَدَنَةٍ عَنْ عَشَرَةٍ.

(سنن کبری للبیھقی، کتاب الحج، باب الاشتراك فی الھدی: ۱۰۱۹۷)

مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع اپنے ساتھ ہدی کے ستر (۷۰) جانور ایک اونٹ دس افردا کے حساب سے سات سو افراد کی طرف سے لے گئے۔ (اور حدیبیہ میں ذبح فرمایا)۔

جواب: حافظ ابوعمرو ابن عبدالبرؒ تحریر فرماتے ہیں:

محدثین نے حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایات کو جو اونٹ میں سات سے زیادہ افراد کی شرکت پر دلالت کرتی ہیں، ان کو ضعیف مرسل اور اصح روایات کے مخالف قرار دیا ہے، نیز مسور بن مخرمہ حدیبیہ میں موجود نہیں تھے، مروان صحابی نہیں ہیں، لہذا روایت مرسل ہے۔ (الاستذکار، کتاب الضحایا، الشرکۃ فی الضحایا ۵/۲۳۹)

محمد بن اسحاق بن یسار دس افراد کی شرکت کو بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

(سنن کبری للبیہقی، کتاب الحج، باب الاشتراک فی الہدی: ۱۰۲۰۳)

غیر مقلدین کی تیسری دلیل

عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَأَصَابَ النَّاسَ جُوعٌ، وَأَصَبْنَا إِبِلًا وَغَنَمًا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُخْرَيَاتِ النَّاسِ، فَعَجِلُوا ،فَنَصَبُوا الْقُدُورَ، فَأَمَرَ بِالْقُدُورِ، فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ قَسَمَ، فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ.

(بخاری، کتاب الجھاد، باب مایکرہ من ذبح الابل والغنم من الغنائم: ۳۰۷۵)

جواب: یہ روایت صراحۃً مال غنیمت کی تقسیم پر دلالت کرتی ہے، غیر مقلدین اس روایت کو کاٹ چھانٹ کر قربانی پر منطبق کرتے ہیں اور امت کو دھوکا دیتے ہیں۔

حضرت جابرؓ کی روایت کی وجوہ ترجیح

(۱) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

حضرت جابرؓ کی روایت ابن عباسؓ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے، حضرت جابرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح حدیبیہ، عمرے اور حج میں شریک رہے ہیں، آپ نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ اور حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے اور اونٹ میں سات افراد کے شریک ہونے کی اجازت دی ہے۔

(۲) امام مالکؒ، ابن جریجؒ اور زہیر بن معاویہؒ وغیرہ نے ابوالزبیرؒ سے اور حضرت عطاؒ نے حضرت جابرؓ ہی سے سات افراد کے شرکت کی بات نقل کی ہے، امام مسلمؒ نے بھی اسی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے، حضرت جابرؓ کی بعض روایات میں اونٹ میں دس افراد کی شرکت کی جو بات مروی ہے، وہ روای کا وہم ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں حسین بن واقد اونٹ میں دس افراد کی شرکت بیان کرنے میں منفرد ہیں (جیسا کہ امام ترمذیؒ نے بھی فرمایا ہے)۔

(سنن کبری للبیہقی، کتاب الحج، باب الاشتراک فی الهدی: ۱۰۲۰۳)

(۴) غزوۂ حدیبیہ میں اونٹ میں سات حصوں کا ذکر ہے، ممکن ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی دس حصوں والی روایت حدیبیہ سے پہلے کی ہو جو کہ منسوخ ہوگئی ہو، یہ تاویل اس لیے بھی ضروری ہے کہ کیوں کہ یہ روایت دیگر صحابہ سے مروی روایات اور حضرت ابن عباسؓ کے فتوے بھی کے خلاف ہے۔

(۳) ایک بکری ایک گھرانے کی طرف سے کافی ہو جائے گی؟

قربانی ایک عبادت ہے، عبادت ہر صاحبِ نصاب پر الگ الگ واجب ہے، جس طرح ہر صاحب نصاب پر الگ الگ زکوۃ فرض ہے، اسی طرح قربانی بھی ہر صاحب نصاب پر الگ الگ واجب ہے، ایک بکری اسقاطِ واجب کے لیے سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی، یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں:

ایک بکری ایک انسان کے پورے گھرانے کی طرف سے بطور قربانی کافی ہوجاتی ہے، اسی قول کو غیر مقلدین اختیار کرتے ہیں اور امت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

احناف وشوافع کی پہلی دلیل

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ. (رواه مسلم، كتاب الحج، باب الاشتراك في الهدى: ۱۳۱۸)

حدیبیہ کے سال ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹ سات افراد کی طرف سے اور گائے کو سات افراد کی طرف سے ذبح کیا ہے۔

اس حدیث میں اونٹ اور گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے کافی قرار دیا گیا ہے، نہ کہ بکرے کو، اس لیے اِن ہی جانوروں میں سات افراد کی شرکت جائز ہوسکتی ہے، بکرے میں اسقاطِ ذمہ کے لیے ایک سے زائد افراد کی شرکت درست نہیں ہوسکتی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنَّ عَلَيَّ بَدَنَةً، وَأَنَا مُوسِرٌ لَهَا، وَلا أَجِدُهَا فَأَشْتَرِيَهَا؟ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبْتَاعَ سَبْعَ شِيَاهٍ، فَيَذْبَحُهُنَّ.

(رواه احمد: ۲۸۳۹، وابن ماجه، باب كم تجزي من الغنم عن البدنة: ۳۱۳۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے، مجھ پر ایک بدنہ لازم ہے، بدنہ مجھے نہیں مل رہا ہے؛ حالاں کہ بدنہ خریدنے پر مجھے قدرت بھی حاصل ہے، کیا مجھے ہر حال میں بدنہ خریدنا ضروری ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات بکریاں اس کے عوض لے لو اور ان کو ذبح کردو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک بدنہ کو سات بکریوں کے مساوی قرار دیا ہے اور ایک بدنہ کو صرف سات افراد ہی کی طرف سے قربان جاسکتا ہے، ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ ایک بکری ایک ہی شخص طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے، کیوں کہ ایک شخص سے زاید افراد کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے، تو ایک بدنہ کا سات سے زاید

بکریوں کے مساوی ہونا لازم آئے گا؛ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدنہ کو صرف سات بکریوں کے مساوی قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے، اپنی ازواج کی طرف سے الگ الگ قربانی دیا کرتے تھے، اگر ایک ہی بکری سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوجاتی، تو گھر کے تمام افراد کی طرف سے الگ الگ قربانی کی ضرورت کیا ہے؟

غیر مقلدین کی پہلی دلیل

حضرت عطا ابن یسارؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے دریافت کیا:

كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ حَتَّى تَبَاهَى النَّاسُ، فَصَارَتْ كَمَا تَرَى.

(سنن ترمذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء ان الشاۃ الواحدۃ تجزء عن اھل البیت: ۱۵۰۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانیاں کیسی ہوتی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کیا کرتا تھا، گھر والے اس قربانی کو کھاتے تھے؛ یہاں تک کہ لوگوں میں مفاخرت شروع ہوگئی جس کی صورتِ حال کا تم مشاہدہ کررہے ہو۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ایک بکری کی قربانی مطلقاً گھر کے کئی افراد کی طرف سے کافی ہوجائے گی۔

جواب

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ لوگ عام طور سے غریب ہوا کرتے تھے، گھر کے ایک ہی فرد پر قربانی واجب ہوا کرتی تھی، وہ شخص ایک ہی بکری کی قربانی دیا کرتا تھا؛ یہاں تک کہ مفاخرت کا سلسلہ شروع ہوگیا، ایک ہی شخص کئی کئی قربانیاں، یا زیادہ قیمت والے جانور کی قربانی دینے لگا، مفاخرت کبھی متعدد جانوروں کی قربانی سے ہوگی،

کبھی قیمتی جانور سے ہوگی۔(تحفۃ الالمعی ۴/۴۳۸)

دوسرا جواب

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ ایک بکرے کی قربانی کے ثواب میں اپنے تمام گھر والوں کو شریک کرلیا کرتے تھے۔(یعنی ایک شخص اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اور اس کے اجر وثواب میں سارے گھر والوں کو شریک کرلے، یہ جائز ہے)۔

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فریضہ کی ادائیگی کے طور پر ایک بکری میں گھر کے تمام افراد شریک ہوجاتے تھے، اگر قربانی نفل ہو، مقصود ایصال ثواب ہو، تو ایک قربانی میں کئی افراد کو شریک کو کیا جاسکتا ہے۔(درس ترمذی ۵/۱۷۱)

دوسری دلیل

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں

عَنِ الْمُطَّلِبِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَضْحَى بِالْمُصَلَّى، فَلَمَّا قَضَى خُطْبَتَهُ، نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهِ، وأُتِيَ بِكَبْشٍ ،فَذَبَحَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: بِسْمِ اللهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ، هَذَا عَنِّي، وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي. (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ: ۲۸۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ میں عید گاہ میں حاضر تھا، جب آپ نے نماز مکمل فرمائی، تو منبر سے نیچے آئے ،ایک بکرا لایا گیا، اس کو اپنے ہاتھوں سے ''بسم اللہ اکبر'' کہہ کر ذبح فرما کر ارشاد فرمایا: یہ قربانی میری اور میری امت کے اُن افراد کی طرف سے ہے جنھوں نے قربانی نہیں دی۔

جواب

(۱) حضرت جابرؓ کی روایت جس کو امام ابوداؤدؒ نے آپ کے شاگرد مطلب بن عبداللہ کی سند سے بیان کیا ہے، یہ مختصر روایت ہے، اسی روایت کو حضرت جابرؓ کے دوسرے شاگرد

اور آپ کے فرزند عبدالرحمن بن جابر (مسند ابویعلی: ۱۷۹۲ والطحاوی فی شرح معانی الآثار: ۶۲۲۷) اور حضرت ابوعیاش (رواہ ابوداؤد: ۲۷۹۵، احمد: ۱۵۰۲۲ والدارمی: ۱۹۸۹) نے روایت کی ہے، ان دونوں کی روایات میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکرے ذبح فرمائے، ایک اپنی طرف سے دوسرا بکرا (بطور شرکتِ اجر وثواب) اپنی امت کی طرف سے قربان فرمایا۔

لہٰذا مختصر روایت کا مطلب وہی لیا جائے گا جو تفصیلی روایت میں آیا ہے، اس کی تائید ابوسلمہ عن ابی ہریرہؓ یا حضرت عائشہؓ کی سند سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکورہ بالا تفصیل موجود ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۲، واحمد: ۲۳۲۵۸)

(۲) دوسری بات امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

مطلب بن عبداللہ کا سماع حضرت جابرؓ سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا روایت منقطع ہوگی۔
(ترمذی، کتاب الاضحیۃ: ۱۵۲۱)

(۳) حضرت جابرؓ کی روایت کے ظاہر کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک بکری تمام مسلمانوں کے لیے کافی ہو جائے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کی طرف سے قربانی دی، پھر غیر مقلدین حضرات گھر کے افراد کے ساتھ تخصیص کیوں کرتے ہیں؟ ایک بکری کی قربانی پوری امت کی طرف سے کافی ہو جانی چاہیے؟

(۴) اگر ایک بکرے میں گھر کے کئی افراد کا شریک ہونا درست مان لیا جائے، تو پھر حدیث پاک۔

"من وجد سعةً، ولم یضحّ، فلا یقربنّ مصلانا" کا کیا معنی ومطلب ہوگا؟

(۴) بھینس کی قربانی کا جواز

فقہائے امت اور علمائے لغت نے بھینس کو گائے ہی کی ایک قسم شمار کیا ہے، جب گائے کی قربانی جائز اور مشروع ہے، تو بھینس کی قربانی بھی جائز ومشروع ہوگی؛ غیر مقلدین حضرات کے اکابر علامہ شوکانی اور مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی وغیرہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بھینس کی قربانی جائز ہے؛ لیکن چند سالوں سے بعض غیر مقلدین حضرات عیدالاضحیٰ کے موقع پر اس سلسلے میں شدت اختیار کرتے ہوئے امت میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں، اس لیے اس کی وضاحت کی ضرورت پیش آئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾. (الحج:۲۸)

ایامِ مقررہ میں مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام ذکر کر کے انہیں ذبح کریں، پھر ان کا گوشت تم بھی کھاؤ، تنگ دستوں اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔

قرآن کریم نے سورۃ الانعام میں بہیمۃ الانعام کی تفسیر کی ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ الخ. (الانعام:۱۴۳)

وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ الخ. (الانعام:۱۴۴)

ضان (بھیڑ)، معز (بکری)، ابل (اونٹ) اور بقر (گائے)، چار جانوروں کا تذکرہ فرمایا اور ان کے مذکر ومؤنث کو ملا کر انہیں ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ (جوڑوں کے لحاظ سے) آٹھ فرمایا ہے۔

ان چار جانوروں کی قربانی پوری امتِ مسلمہ کے نزدیک اجماعی واتفاقی طور پر مشروع ہے، ان جانوروں کی خواہ کوئی بھی نسل ہو اور اسے لوگ خواہ کوئی بھی نام دیتے ہوں، اس کی قربانی جائز ہے، مثلاً بھیڑ کی نسل میں دنبہ ہے، اس کی شکل اور نام اگرچہ بھیڑ سے کچھ مختلف بھی ہے؛ لیکن چوں کہ وہ بھیڑ کی نسل اور قسم میں شامل ہے، لہٰذا اس کی قربانی مشروع ہے، اسی طرح مختلف ملکوں اور علاقوں میں بھیڑ کی اور بھی بہت سی قسمیں اور نسلیں ہیں جو دوسرے علاقوں والوں کے لیے اجنبی ہیں اور وہ انہیں مختلف نام بھی دیتے ہیں، اس کے باوجود ان سب کی قربانی بھیڑ کی نسل میں سے ہونے کی بنا پر جائز اور مشروع ہے، اسی طرح اونٹوں وغیرہ کا معاملہ ہے۔

ابن ابی حاتمؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

عن ليث بن أبي سليم قال: الجاموس، والبختي من الأزواج الثمانية.

(تفسیر ابن ابی حاتم، الانعام: ۷۹۹۰)

لیث بن ابو سلیم فرماتے ہیں:

بھینس اور بختی (اونٹ کی ایک قسم) ان آٹھ جوڑوں میں شامل ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے۔

ائمہ لغت کی آراء

علامہ ابوالفضل ابن منظور افریقیؒ ''لسان العرب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

الجاموس: نوع من البقر، دخيل، وجمعه جواميس، فارسي معرب، وهو بالعجمية "كواميش". (لسان العرب ٤٣/٦)

جاموس (بھینس) گائے کی ایک قسم، اس کی جمع جوامیس ہے، فارسی لفظ'' گاؤ میش'' سے عربی میں منتقل کیا گیا ہے۔

ابوالفیض مرتضی زبیدی ''تاج العروس'' میں تحریر فرماتے ہیں:

الجاموس: نوع من البقر، معروف، معرب كاوميش، وهي فارسية، ج الجواميس، وقد تكلمت به العرب، وهي جاموسة. خالف هنا قاعدته: وهي بهاء. (تاج العروس ٥١٣/١٥)

امام ابومنصور محمد بن احمد ازہری ہروی فرماتے ہیں:

اجناس البقر: منها الجواميس واحدها جاموس، وهي من انبلها، واكرمها، واكثرها البانا، واعظمها اجساما، ومنها الدربانية، وهي التي تنقل عليها الاحمال، ومنها العراب وهي جرد ملس حسان الالوان الكريمة. (الزاهر في غريب الفاظ الشافعي: ١٠١)

گائے کی نسل سے جوامیس (بھینسیں) ہیں، اس کی واحد جاموس ہے، یہ گائے کی بہترین وعمدہ ترین قسم ہے، یہ گائے کی اقسام میں سب زیادہ دودھ دینے والی اور جسمانی اعتبار سے بڑی بڑی ہوتی ہیں، ایک قسم ''دربانیہ'' (بھینسہ، کھٹرا) ہے جس پر وزنی سامان لادھا جاتا ہے، ایک قسم ''عراب'' ہے جو خوب صورت رنگت والی چکنی اور بغیر بال والی ہوتی ہیں (ممکن ہے چرسی گائے مراد ہو، ابوفیضان)۔

فقہائے امت کی آراء

امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:

قال ابن مهدي: قال سفيان ومالك: إن الجواميس من البقر.

(المدونة، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم ۱/۳۵۵)

سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں:

بھینس گائے کی جنس سے ہے۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی حنفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

الأضحية من الإبل والبقر والغنم لأنها عرفت شرعا، ولم تنقل التضحية بغيرها من النبي عليه الصلاة والسلام، ولا من الصحابة رضي الله عنهم۔۔۔ويدخل في البقر الجاموس لأنه من جنسه۔

(الهدايه، كتاب الاضحية ٤/٤٤٩)

صرف اونٹ، گائے اور بکری کی قربانی جائز ہے، اس لیے کہ شریعت میں ان ہی جانوروں کی قربانی مشروع ہوئی ہے، دیگر جانوروں کی قربانی کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ سے منقول نہیں ہے؛ البتہ بھینس گائے میں شامل ہے، اس لیے کہ بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے، لہذا اس کی قربانی درست ہوگی۔

علامہ محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

شرط المجزئى في الأضحية أن يكون من الأنعام، وهي الإبل والبقر والغنم، سواء في ذلك جميع أنواع الإبل من البخاتي، والعراب، وجميع أنواع البقر من الجواميس، والعراب، والدربانية وجميع أنواع الغنم من الضأن والمعز وأنواعهما.

(شرح المهذب، كتاب الحج، باب الاضحية، وقت الاضحية ۹/۳۰۲)

قربانی کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ قربانی کا جانور چوپایوں میں سے ہو، چوپائے سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہیں، اونٹ میں اس کی تمام انواع بختی اونٹ، عرابی اونٹ داخل ہیں، گائے میں اس کی تمام انواع شامل ہیں، جس میں بھینس، عراب، دربانیہ شامل ہیں، بکری میں بھیڑ اور بکری اور ان کے دیگر انواع داخل ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں:

الجواميس كغيرها من البقر، لا خلاف في هذا نعلمه. وقال ابن المنذر: أجمع كل من يحفظ عنه من أهل العلم على هذا، ولأن الجواميس من أنواع البقر، كما أن البخاتي من أنواع الإبل، فإذا اتفق في المال جواميس وصنف آخر من البقر، أو بخاتي وعراب، أو معروضأن، كمل نصاب أحدهما بالآخر.

(المغني لابن قدامه، کتاب الزکوۃ، باب صدقة البقر، ۲/۲۳۳، رقم المسئلة: ۱۷۱۱)

اہل علم کا بھینس کے گائے کی ایک قسم ہونے پر اجماع ہے، اس سلسلے میں ہمارے علم کے مطابق کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ابن منذرؒ فرماتے:

اس لیے کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے، جس طرح بختی اونٹ اونٹ کی ایک قسم ہے، جب زکوۃ کے مال میں بھینس اور گائے، بختی اونٹ اور عرابی اونٹ، دنبہ اور بھیڑ جمع ہو جائیں، تو ان کو شامل کر کے نصاب کو مکمل کر دیا جائے گا۔

جب زکوۃ کی ادائیگی اور گائے کے نصاب کی تکمیل میں بھینس کو بھی شامل کیا جاتا ہے، تو قربانی میں بھی گائے کی طرح بھینس کی قربانی درست ہوگی۔

الشرط الأول، وهو متفق عليه بين المذاهب: أن تكون من الأنعام، وهي الإبل عرابا كانت أو بخاتي، والبقرة الأهلية ومنها الجواميس.

(الموسوعة الفقهية ۵/۸۱)

سب سے پہلی شرط جو تمام اہل مسالک کے درمیان متفق علیہ ہے کہ وہ یہ کہ قربانی کا جانور چوپایوں میں سے ہو، اونٹ خواہ عرابی ہو، یا بختی اور گائے اسی کے جنس میں سے بھینس ہے۔

فقہ ظاہری کے مشہور امام ابن حزمؒ اندلسی فرماتے ہیں:

مسألة: الجواميس صنف من البقر، يضم بعضها إلى بعض.

(المحلی بالاثار، کتاب الزکوۃ، زکوۃ البقر: ۴/۸۹)

بھینس گائے کی ایک قسم ہے، زکوۃ کی ادائیگی میں بھینس کو گائے کے ساتھ ملا کر

زکوۃ ادا کی جائے گی۔(بھینس کو گائے کے ساتھ ملا کر زکوۃ دی جائے ،تو گائے کی طرح بھینس کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے)۔

سئل فضيلة الشيخ-رحمه الله-: يختلف الجاموس عن البقر في كثير من الصفات كاختلاف المعز عن الضأن، وقد فصل الله في سورة الأنعام بين الضأن والمعز، ولم يفصل بين الجاموس والبقر، فهل يدخل في ضمن الأزواج الثمانية، فيجوز الأضحية بها أم لا يجوز؟

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ سے بھینس کی قربانی کے بارے میں پوچھا گیا کہ بھیڑ اور بکری کا ذکر قرآنِ کریم میں موجود ہے؛ حالاں کہ یہ دونوں ایک ہی نسل سے ہیں، اگر بھینس اور گائے دونوں ایک ہی نوع سے ہوں، تو ان دونوں کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں کیا گیا؟

علامہ عثیمینؒ نے فرمایا:

الجاموس نوع من البقر، والله عز وجل ذكر في القرآن المعروف عند العرب الذين يحرّمون ما يريدون، ويبيحون ما يريدون، والجاموس ليس معروفاً عند العرب.

بھینس گائے ہی کی نسل سے ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں صرف اُن جانوروں کا ذکر کیا ہے، جو عربوں کے نزدیک معروف تھے(دور جاہلیت میں)عرب اپنے پسندیدہ جانوروں کو حلال اور اپنے ناپسندیدہ جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، بھینس تو عربوں کے نزدیک معروف نہیں تھی (اس لیے بھینس کا ذکر نہیں ہوا)۔

(مجموع فتاوی ورسائل محمد بن صالح العثیمین ۲۵ / ۳۴)

قارئین کرام کی خدمت میں بطور نمونہ محدثین، مفسرین، فقہائے امت اور علمائے لغت کے چند اقوال پیش کئے گئے ہیں، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ بھینس کی قربانی پر تقریباً امت کا اجماع ہے۔

عبداللطیف قاسمی

۷/ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ، مطابق ۵/ ستمبر ۲۰۲۲ء

جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

نظام الاوقات کا اہتمام

حضرت تھانویؒ نہایت منضبط الاوقات انسان تھے، چناں چہ حضرت والا فرمایا کرتے تھے: اگر میں انضباطِ وقت نہ کرتا، تو دین کی تھوڑی بہت خدمت جو مجھ ہو سکی ہے ہر گز نہ ہو سکتی، حضرت والا انظام الاوقات کے سلسلے میں یہاں تک پابند تھے کہ ایک مرتبہ حضرت والا کے استاذ مکرم شیخ الہند محمود حسنؒ تشریف لائے اور آپ کے مہمان ہوئے، آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے راحت وآرام کے سارے انتظامات فرما دینے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا، تو نہایت ادب کے ساتھ اجازت حاصل فرما کر تصنیفی کام میں مشغول ہو گئے، پھر تصنیف میں دل نہ لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد حاضرِ خدمت ہو گئے؛ لیکن بالکل ناغہ اس روز بھی نہیں کیا۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے کثرتِ تصانیف ومقبولیت کے ظاہری اسباب

امت کے وہ اکابر جو متعدد موضوعات پر مقبول اور بے شمار تالیفات اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں، ان میں سے امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (ظاہر الروایۃ وغیرہ کی کتب)، امام طحاوی (مؤلفات کثیرۃ)، امام سلیمان بن احمد الطبرانی (۴۶) امام علی بن عمرو دارقطنی (۸۰) امام حاکم ابو عبداللہ النیساپوری (۱۵۰۰، اجزاء)، امام احمد بن حسن ابوبکر البیہقی الشافعی (۱۰۰۰) احمد بن علی بن ثابت المعروف بالخطیب البغدادی (۵۶)، محمد بن محمد بن محمد الغزالیؒ (مؤلفات کثیرۃ) ابو الفرج ابن الجوزی (۲۰۰۰)، علامہ محمد بن محمد بن عثمان شمس الدین الذھبی (تقرب من المآۃ)، تقی الدین السبکی (۱۵۰)، یحی بن شرف النووی الشافعیؒ (مؤلفات کثیرۃ)، حافظ ابن تیمیہ (مؤلفات کثیرۃ)، حافظ ابن حجر العسقلانی (مؤلفات کثیرۃ)، حافظ بدر الدین العینیؒ (مؤلفات کثیرۃ)، علامہ محمد بن عبدالرحمن السخاوی (۲۰۰)، جلال الدین السیوطی (۷۲۵)، علامہ محمد عبدالرؤف بن تاج المناوی (۸۰)، ابن رجب الحنبلیؒ (مؤلفات کثیرۃ) علامہ محمود بن عبداللہ الآلوسیؒ (مؤلفات کثیرۃ) رحمہم اللہ وغیرہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان اکابر کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین۔

ان ہی مبارک ومقبولانِ خدا اکابرِ امت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۵۰) اور حکیم الامت مجدد الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ہیں جن کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے اعلیٰ درجہ کا ملکہء تصنیف عطا فرمایا تھا، تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، علمِ کلام اور تجوید وغیرہ علوم میں آپ کی تصنیفات ہیں، بعض لوگوں نے آپ کی تصنیفات دو ہزار تک شمار کی ہیں، حضرت والا جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے تھے، تو اس کا کوئی بھی ضروری پہلو نظر انداز نہیں ہوتا تھا، نیز اس کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ذریعہ مدلل اور مبرھن فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو کثرت

تصانیف کی نعمت کے ساتھ مقبولیت عامہ اور نافعیت تامہ بھی عطا فرمایا تھا، حضرت والا کی کتابوں کی طرف علماء وعوام کا رجوع ہے اور امت ان سے برابر مستفید ہو رہی ہے۔

حضرت والا کی تصانیف میں من جانب اللہ برکت، خصوصی نصرت اور غیبی مدد شامل حال رہی ہے۔

چناں چہ طالب علمی کے زمانے میں جب کہ آپ کی عمر صرف اٹھارہ (۱۸) سال تھی، فارسی میں مثنوی ''زیر وبم'' لکھی، نیز جس زمانے میں آپ کے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ قدس سرہ العزیز، کی خدمت میں قیام پذیر تھے، حاجی صاحب کے حکم سے ابن عطا اسکندریؒ کی کتاب ''تنویر'' کا اردو ترجمہ ''اکسیر فی اثبات التقدیر'' کر رہے تھے، حاجی صاحب نے بہت کم وقت میں زیادہ کام ہوتا دیکھ کر یہ بشارت سنائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے وقت میں برکت رکھی ہے، چناں چہ آپ کے متعلقین اور منتسبین کا بیان ہے کہ آپ کے وقت میں کھلی ہوئی برکت دیکھنے میں آئی، جتنے وقت میں جتنا کام حضرت والا کر لیتے تھے، اکثر تجربہ کاروں کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ دوسرا نہیں کر سکتا۔

کثرت تصانیف میں غیبی امداد کے چند ظاہری اسباب

حضرت والا کی تصانیف میں برکت، غیبی امداد کے علاوہ آپ کی کثرت تصانیف کے ظاہری اسباب مندرجہ ذیل ہیں، جن کو آپ کے خلیفہ اور سوانح نگار حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے ''اشرف السوانح'' میں بیان کیا ہے۔

پہلا سبب (شوق وجذبہ۔ کام کی دھن)

حضرت والا کے اندر کسی کام کو شروع کر کے اس سے اپنے قلب ودماغ کو فارغ کرنے کا تقاضہ اس شدت سے پیدا ہوتا تھا کہ جب تک اس سے مکمل فارغ نہیں ہوتے، بے چین و بے قرار رہتے تھے، رات دن، وقت بے وقت باستثناء امور ضروریہ، اسی کی تکمیل کے دھن میں لگے رہتے تھے اور اس کو جلد سے جلد پورا فرما کر ہی سکون پاتے تھے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب تحریر ہیں:

احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب ''کلید مثنوی'' کی شرح قریب الختم تھی، حضرت والا

کے اندر اس سے فراغت حاصل کرنے کا اس شدت کے ساتھ تقاضہ ہوا کہ آخر ایام میں دن بھر اسی کو لکھتے رہے، پھر تمام رات لکھتے رہے، ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سوئے اور فجر سے پہلے اس کو ختم کر کے ہی دم لیا اور فرمایا: پوری رات جاگنے کا اس سے پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا، جس کا یہ اثر ہوا کہ بوجہ خلافِ عادت تعب برداشت کرنے کے بخار ہو گیا؛ لیکن بخار میں بھی ایک اطمینانی کیفیت تھی، کیوں کہ کام سے فارغ ہونے کے بعد بخار آیا تھا۔
(اشرف السوانح ۳/ ۸۵)

دوسرا سبب (استحضارِ علم، وسعتِ مطالعہ)

غیبی امداد کا دوسرا سبب یہ ہے کہ حضرت والا کو کسی مضمون کے تحریر فرمانے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اکثر بڑے بڑے غامض مضامین کو بھی قلم برداشتہ لکھتے دیکھا گیا، اگر چہ دورانِ تحریر اور تحریر کے بعد بھی اس میں اضافات وترمیمات بکثرت فرماتے رہتے ہیں، یعنی وسعتِ علم واستحضار کی صفات سے متصف تھے۔ (اشرف السوانح ۳/ ۸۵)

تیسرا سبب (موانع سے حفاظت)

تیسرا سبب وقت میں برکت ہے کہ موانع سے حفاظت رہتی تھی، چناں چہ حضرت والا فرمایا کرتے تھے: ''بیان القرآن'' لکھنے کے زمانے میں جس کی مدت تقریباً ڈھائی سال تھی، میرا کبھی کان بھی گرم نہیں ہوا؛ حالاں کہ یہاں طاعون کی بہت کثرت رہی، حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ، جب تفسیر لکھنے کے زمانے میں قصبے کے اندر شدت کے ساتھ طاعون پھیلا، تو میں نے دعا کی کہ اے اللہ! جب تک تفسیر پوری نہ ہو، اس وقت تو مجھے زندہ ہی رکھئے گا، چناں چہ بفضلہٖ تعالیٰ میرا کان بھی گرم نہ ہوا، الحمد للہ تفسیر مع الخیر پوری ہو گئی۔
(اشرف السوانح ۳/ ۸۶)

چوتھا سبب (عدم غلو)

حضرت والا کی کثرتِ تصانیف کا چوتھا سبب عدم غلو ہے، چناں چہ حضرت مولانا حبیب الرحمنؒ صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے بھی ایک بار یہی رائے ظاہر فرمائی تھی، حضرت والا مولانا حبیب الرحمنؒ صاحب کی رائے نقل فرما کر فرمایا کرتے تھے، واقعی بالکل صحیح فرمایا،

زیادہ کاوش سے کچھ کام نہیں ہوتا، میری نظر تو صرف ضرورت پر رہتی ہے، ضرورت سے زیادہ کاوش کرنے سے جی بہت الجھتا ہے، اسی وجہ سے میری عبارت بہت مختصر ہوتی ہے؛ مگر اظہار مدعا کے لیے بالکل کافی، وافی اور واضح ہوتی ہے، بلاضرورت میں ہرگز طویل نہیں کرتا؛ مگر جہاں وضوح کے لیے تطویل ہی کی ضرورت ہو، وہاں تطویل سے گریز بھی نہیں کرتا۔

(اشرف السوانح ۳/ ۸۷)

پانچ سبب (یادداشت کو ضبط کرنے کا اہتمام)

حضرت والا جس زمانے میں بکثرت کتابیں تصنیف فرماتے تھے، اکثر اپنے پاس پنسل اور کاغذ رکھتے تھے اور جس وقت اس کے متعلق کوئی مضمون ذہن میں آتا فوراً اس کو لکھ لیتے؛ بلکہ بعض اوقات رات کو سوتے وقت بھی تکیہ کے نیچے کاغذ اور پنسل رکھ لیتے؛ تا کہ اگر رات کو بھی کوئی مضمون ذہن میں آئے، تو فوراً روشنی کا انتظام کر کے اس کے متعلق یادداشت لکھ لی جائے۔ (اشرف السوانح ۳/ ۸۷)

چھٹا سبب (نظام الاوقات کا اہتمام)

حضرت والا نہایت منضبط الاوقات تھے، چناں چہ حضرت والا فرمایا کرتے تھے: اگر میں انضباط وقت نہ کرتا، تو دین کی تھوڑی بہت خدمت جو مجھ ہوسکی ہے، ہرگز نہ ہوسکتی، حضرت والا انضباط الاوقات کے سلسلے میں یہاں تک پابند تھے کہ ایک مرتبہ حضرت والا کے استاذ مکرم شیخ الہند محمود حسنؒ تشریف لائے اور آپ کے مہمان ہوئے، آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے راحت وآرام کے سارے انتظامات فرمادینے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا، تو نہایت ادب کے ساتھ اجازت حاصل فرما کر تصنیف کے کام میں مشغول ہوگئے، پھر تصنیف میں دل نہ لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد حاضر خدمت ہوگئے؛ لیکن بالکل ناغہ اس روز بھی نہیں کیا۔

اخلاص

کثرتِ تصانیف کا ایک خاص سبب اخلاص ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت والا نے اپنی تصنیفات کو معاش کا ذریعہ نہیں بنایا، چناں چہ آپ کی طرف سے عام اجازت ہے کہ جس تصنیف کو چاہے اور جتنی تعداد میں چاہے چھاپ سکتا ہے، چناں چہ اہل مطابع نے لاکھوں

روپئے حضرت والا کی تصانیف کو شائع کر کے حاصل کرتے ہیں۔

ایک انگریز نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو تفسیر کے لکھنے میں کتنے روپئے ملے؟ حضرت والا نے فرمایا: کچھ بھی نہیں، تو اس نے بہت تعجب کیا اور کہا کہ پھر اتنی بڑی کتاب لکھنے کی آپ نے محنت کیوں کی؟ حضرت والا نے فرمایا: ہم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس زندگی کے علاوہ بھی ایک زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں، میں نے یہ محنت اس امید کے ساتھ کی ہے کہ ان شاء اللہ مجھے اس کا عوض اُس دوسری زندگی میں ملے گا اور دنیا کا فائدہ یہ ہے کہ جب میں دیکھوں گا کہ میرے مسلمان بھائی پڑھ پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، تو مجھے خوشی ہوگی۔

(اشرف السوانح ۳؍۹۰)

سب سے بڑی احتیاط جو حضرت والا کی اعظمِ خصوصیت میں سے ہے یہ کہ اپنی تصانیف کے تسامحاتِ اتفاقی کو جن کا علم خود یا کسی دوسرے کے ذریعے ہوتا رہتا تھا، ان سے رجوع فرماتے تھے اور اس رجوع کو شائع بھی فرماتے رہتے تھے، اس سلسلے کا ایک خاص لقب ''ترجیح الراجح'' تجویز کیا گیا، جو مستقل طور پر جاری تھا، اس سلسلے میں حضرت والا کو جہاں اپنے تسامحات پر شرح صدر ہو جاتا، وہاں رجوع فرمالیتے اور جہاں تردد ہوتا، وہاں جواب لکھ کر یہ تحریر فرما دیتے کہ دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لی جائے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا:

''ترجیح الراجح'' اس زمانے کی ایک بالکل نرالی چیز ہے، یہ سلف صالحین کا معمول تھا ، مولانا تھانویؒ کی امتیازی شان اور کمالِ صدق واخلاص کے ظاہر کرنے کے لیے بس یہی کافی ہے، حضرت والا نے بعض فضلاء سے اپنی تصانیف ''بہشتی زیور'' ''امداد الفتاوی'' ''تفسیر بیان القرآن'' پر نظر ثانی بھی کرائی اور جن تسامحات پر شرح صدر ہو گیا، ان کو اصل نسخے میں درست فرما کر شائع بھی فرمایا۔ (اشرف السوانح ۳؍۹۲)

حضرت اقدس تھانویؒ کے کثرت تصانیف کے مذکورہ ظاہری اسباب اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر ہم کامیاب مصنف ومؤلف بننا چاہتے ہیں اور اپنی تصانیف کو مقبول ونافع بنانا چاہتے ہیں، تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مذکورہ اصول کو اختیار کریں، اگر ہم ان اصول کا اختصار کرنا چاہتے ہیں، تو اس طرح کر سکتے ہیں:

(۱) شوق وجذبہ، (کام کی دھن) (۲) استحضارِ علم اور وسعتِ مطالعہ (۳) لایعنی امور سے اجتناب (۴) تحریرات میں تصنع وتکلف سے احتراز (۵) نظام الاوقات کا اہتمام (۶) اخلاصِ نیت۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم بھی ان زریں اصول پر کاربند ہوکر دینی خدمات میں ہمہ تن مصروف ہوں۔

عبداللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدی، بنگلور
بروز پیر، ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
مطابق ۲۵ جولائی ۲۰۱۱ء



فہرست مصادر ومراجع

مطبع	اسماء مصنفین	اسماء کتب
لوح محفوظ	ذو العرش المجید	(۱) القرآن المجید
فیصل دیوبند	محمد بن اسماعیل البخاریؒ	(۲) الجامع الصحیح للبخاری
فیصل دیوبند	مسلم بن حجاج القشیریؒ	(۳) صحیح مسلم
فیصل دیوبند	ابوداؤد سلیمان السجستانیؒ	(۴) سنن ابی داؤد
فیصل دیوبند	محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ	(۵) الجامع الترمذی
فیصل دیوبند	ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ	(۶) سنن النسائی
فیصل دیوبند	محمد بن یزید القزوینیؒ	(۷) سنن ابن ماجہ
فیصل دیوبند	امام مالک بن انس الاصبحیؒ	(۸) موطا للامام مالک
دار الکتب العلمیۃ بیروت	عبدالرزاقؒ بن ھمامؒ	(۹) مصنف عبدالرزاق
مکتبۃ الزمان، المدینۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہؒ	(۱۰) مصنف ابن شیبہ
دار الکتب العلمیۃ بیروت	امام احمد بن حنبلؒ	(۱۱) مسند احمد بن حنبل
المکتبۃ الشاملۃ	ابویعلی احمد بن علی موصلیؒ	(۱۲) مسند ابویعلی
دار الکتب العلمیۃ بیروت	حاکم ابوعبداللہؒ	(۱۳) المستدرک للحاکم
دار الکتب العلمیۃ بیروت	ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃؒ	(۱۴) صحیح ابن خزیمہ
الرسالۃ العالمیۃ، بیروت	محمد بن حبان بن احمدؒ	(۱۵) صحیح ابن حبان
المکتبۃ الشاملۃ	احمد بن محمد بن سلام الطحاویؒ	(۱۶) شرح مشکل الاثار
دار الحدیث، قاھرۃ	احمد بن حسین البیہقیؒ	(۱۷) السنن الکبری
دار الفکر، بیروت	احمد بن حسین البیہقیؒ	(۱۸) شعب الایمان
دار ابن حزم، بیروت	نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمیؒ	(۱۹) مجمع الزوائد
المکتبۃ الشاملۃ	علي بن احمد بن حزم، الاندلسيؒ	(۲۰) المحلی بالاثار
المکتبۃ الشاملۃ	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد الخرائطيؒ	(۲۱) مکارم الاخلاق
نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند	محيي الدين ابوزكرياؒ	(۲۲) شرح مسلم مع صحیح مسلم

(۲۳)فتح الباری	احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ	المکتبۃ الاشرفیۃ، دیوبند
(۲۴)عمدۃ القاری	ابومحمد محمود بن احمد عینیؒ	زکریا بکڈپو دیوبند
(۲۵)فتح الملہم شرح مسلم	شبیر احمد عثمانیؒ	المکتبۃ الاشرفیۃ
(۲۶)بذل المجہود	خلیل احمد سہارن پوریؒ	مرکز الشیخ ابوالحسن
(۲۷)الاذکار النوویہ	محیي الدین ابوزکریاؒ	دار ابن حزم، بیروت
(۲۸)مرقاۃ المفاتیح	ملاعلی قاری حنفیؒ	بنگلہ اسلامک اکیڈمی
(۲۹)لمعات التنقیح	عبدالحق الدھلویؒ	مرکز الشیخ ابوالحسن
(۳۰)اعلاء السنن	علامہ ظفر احمد تھانویؒ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۳۱)تحفۃ الالمعی	مفتی سعید احمد صاحبؒ	مکتبہ حجاز، دیوبند
(۳۲)درس ترمذی	مفتی تقی عثمانی مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ
(۳۳)معارف الحدیث	مولانا منظور نعمانیؒ	الفرقان بک ڈپو، لکھنو
(۳۴)ترجمان السنۃ	مولانا بدر عالم میرٹھی	مکتبہ رحمانیہ، لاھور
(۳۵)التفسیر الکبیر	فخر الدین محمد بن عمر و رازیؒ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
(۳۶)تفسیر قرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
(۳۷)تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمن بن محمد ابی حاتم رازیؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۳۸)تفسیر سعدی	عبدالرحمن بن ناصر السعدیؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۳۹)التفسیر المیسر	نخبۃ من أساتذۃ لتفسیر	المکتبۃ الشاملۃ
(۴۰)تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمروؒ	دار الاشاعت، دیوبند
(۴۱)معارف القرآن	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
(۴۲)آسان تفسیر	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	کتب خانہ نعیمیہ
(۶۶)کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی	قاضی عیاض مالکیؒ	دار الفکر، بیروت
(۴۳)زاد المعاد	محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم جوزیؒ	دار الفجر
(۴۴)السیرۃ الحلبیۃ	نورالدین الحلبیؒ	دار الفکر، بیروت
(۸۸)المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ	احمد بن محمد القسطلانیؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۴۵)فضائل درود شریف	شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ	کتب خانہ نعیمیہ

(۴۶) بدائع الصنائع	ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ	دار الکتاب، دیوبند
(۴۷) البحر الرائق	زین الدین ابن نجیمؒ	دار الکتاب، دیوبند
(۴۸) الدر المختار مع رد المحتار	علامہ علاء الدین حصکفیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
(۴۹) رد المحتار	ابن عابدین شامیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
(۵۰) المجموع شرح المہذب	محیي الدین ابوزکریاؒ	دار الکتب العلمیۃ
(۵۱) الاستذکار	حافظ ابن عبد البر قرطبیؒ	دار الکتب العلمیۃ
(۵۲) المغنی	موفق الدین ابن قدامۃؒ	دار الکتب العلمیۃ
(۵۳) المدونۃ الکبری	امام مالک بن انسؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۵۴) الاستیعاب	حافظ ابن عبد البر قرطبیؒ	دار الکتب العلمیۃ
(۵۵) الفتاوی الہندیہ	جماعۃ من علماء الہند	مکتبہ زکریا دیوبند
(۵۶) فتاوی عثیمین	محمد بن صالح عثیمین	المکتبۃ الشاملۃ
(۵۷) فتاوی محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی	ادارہ صدیق، ڈابھیل
(۵۸) جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	عثمان کمپنی دیوبند
(۵۹) فتاوی دار العلوم	مرتب مفتی ظہیر الدینؒ	مکتبہ دار العلوم دیوبند
(۶۰) احسن الفتاوی	مولانا عبد الرشید صاحبؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
(۶۱) قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	کتب خانہ نعیمیہ
(۶۲) کتاب النوازل	مفتی سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ	مکتبہ جاوید دیوبند
(۶۳) عقیدۃ الطحاوی	احمد بن محمد بن سلام الطحاویؒ	دار الکتاب، دیوبند
(۶۴) لسان العرب	جمال الدین ابن منظور الافریقی	المکتبۃ الشاملۃ
(۶۵) تاج العروس	مرتضی الزَّبیدی	المکتبۃ الشاملۃ
(۶۶) الزاہر فی غریب الفاظ الشافعی	محمد بن احمد بن الازہري الھروي	المکتبۃ الشاملۃ
(۶۷) اشرف الجواب	حضرت اشرف علی تھانویؒ	کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند
(۶۸) ختم نبوت	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
(۶۹) اشرف السوانح	خواجہ عزیز الحسنؒ	مکتبہ تھانوی، دیوبند
(۷۰) اسلام اور ہماری زندگی	مفتی تقی عثمانی مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
(۷۱) ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	مفتی سعید احمد صاحبؒ	مکتبہ حجاز دیوبند